رُموزِ اَوقاف

(تحریر کا حُسن)

پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد عارف

ہائیر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد

عبداللہ غوری
مینجنگ ڈائریکٹر : حسنین سیالوی
گروپ میں شامل ہونے کے لیے واٹس ایپ کیجیے
03478848884

رموزِ اوقاف

(تحریر کا حُسن)

مصنّف

پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد عارف

سابق: صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ ایس ای کالج بہاول پور
صدر شعبہ اردو، ڈین شعبہ جات انگریزی، فارسی، عربی
گورنمنٹ کالج آف سائنس وحدت روڈ لاہور، پروفیسر (آن ڈپوٹیشن)
اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

ہائیر ایجوکیشن کمیشن - اسلام آباد

Project: "Monograph and Textbook Writing Scheme" aims to develop a culture of writing and to develop authorship cadre among teaching and researcher community of higher education institutions in the country. For information please visit: **www.hec.gov.pk**

HEC – Cataloging in Publication (CIP Data):

Arif, Syed Muhammad
Ramooz-e-auqaf

491.43916-dc22

ISBN: 978-969-417-116-6

First Edition: 2007

Copies Printed: 500

Published By: D.G. Administration, Higher Education Commission, Islamabad - Pakistan

مصنف کے کوائف

نام : سید محمد عارف

ولدیت : سید قاری محمد حفیظ الرحمٰنؒ

تاریخ پیدائش : 14 مارچ 1946ء

تعلیم : ایم۔اے۔(اردو)، پی ایچ۔ڈی۔

آغازِ ملازمت : بحیثیت لیکچرر (اردو) -- نومبر 1966ء

دیگر خدمات : سابق صدر، شعبہ اردو، ایس۔ای۔کالج بہاول پور،
سابق صدر، شعبہ اردو؛ ڈین فیکلٹی آف لینگو یجز، گورنمنٹ کالج آف سائنس، وحدت روڈ، لاہور،
سابق پروفیسر (آن ڈیپوٹیشن)، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور۔

تصانیف :
(1) ''اقتباس کی تشریح -- کیوں اور کیسے؟'' -- (تدریسی)، مطبوعہ: ادارہ تصنیف و تالیف بہاول پور۔
(2) ''عاشق رسول ﷺ'' -- (سوانح) مطبوعہ: ادارہ تصنیف و تالیف، بہاول پور۔
(3) ''طاقِ نسیاں'' -- (خاکے)، مطبوعہ: اردو اکیڈمی بہاول پور۔
(4) ''شاہد احمد دہلوی -- حالات و آثار'' -- (تحقیقی مقالہ)، مطبوعہ: انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی۔
(5) ''مضامین ہائے رنگ رنگ'' -- (زیر طبع مضامین)

سابق نگرانِ اعلیٰ : مجلّہ ''نخلستانِ ادب'' بہاول پور۔

فہرست

انتساب

- ان اساتذہ کے نام ، جو ''رموزِ اوقاف'' کی ترویج کی قومی تحریک میں شریک ہو کر طلبا کی بہتر رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔
- خاص طور پر ان طلبا و طالبات کے نام ، جو یہ جاننا اور سیکھنا چاہتے ہیں کہ امتحانی پرچوں میں ''رموزِ اوقاف'' کے استعمال سے ان کی شاندار کامیابی کے امکانات کیسے روشن ہو سکتے ہیں؟
- ان مصنفین و محققین اور وکلاء کے نام، جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کی کتابیں اور تحریریں ابہام سے پاک ہوں اور صرف مطلوبہ مفاہیم و مطالب پر دلالت کریں۔
- ان کاتبوں اور کمپوزرز کے نام ، جو اپنی کتابت اور کمپوزنگ کو زیادہ دلکش، واضح، خوبصورت اور روشن بنانا چاہتے ہیں۔

اور

- پڑھنے میں سہولت کے لیے — ہر پڑھنے والے کے نام!

''ان اوقاف کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ :۔

اوّل تو ان کی وجہ سے نظر کو سکون ملتا ہے،
وہ تھکنے نہیں پاتی ؛ دوسری بڑی بات یہ ہے
کہ ذہن ہر جملے ، یا جزوِ جملہ کی اہمیت کو جان
لیتا ہے ؛ اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔''

(مولوی عبدالحق: ''قواعدِ اردو''، ص:۳۱۶۔)

تحریر کے کچھ نمونے

آئندہ صفحات میں تحریر کے کچھ نمونے دیئے جارہے ہیں، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ رموزِ اوقاف کے بغیر عبارت کتنی مدھم، مبہم، گنجلک ہو کر عقید الفہم ہو جاتی ہے، اور رموزِ اوقاف کے استعمال کے بعد کس قدر روشن اور واضح نظر آتی ہے۔

فصل ذکر مین بعض شمائل کے

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد سفید رنگ سرخی آمیز تھے درمیان ہر دو
شانے کے قدرے لمبا تہا موئی سر نرمہ گوش تک پہونچتے تھے حد سیری تک
نہین پہونچے تھے سر و ریش مین کوئی بیس بال سفید ہونگے چہرۂ مبارک مثل
ماہ نیم ماہ کے چمکتا تھا نیک تن معتدل بدن تھے خاموش ہوتے تو مہابت
و بزرگی ظاہر ہوتی بات کرتے تو لطف و نازکی نکلتی دور سے جو کوئی دیکھتا
جمال و نزاکت پاتا پاس سے جو کوئی دیکھتا ملاحت و شیرینی سمجھتا شیرین گفتار
کشادہ پیشانی دراز و باریک ابرو غیر پیوستہ بلند بینی نرم رخسار کشادہ دہان
روشن دندان تھے درمیان ہر دو شانے کے مہر نبوت تھی آپکا واصف کہتا ہی
کہ نہین کوئی شخص آپ کی طرح کا آپ سی پہلے اور آپ سی پیچھے نہین دیکھا شیخ ابن حجر
مکی نے شرح شمائل مین لکھا ہی جسکا ترجمہ شیخ عبدالحق دہلوی رح نے ترجمہ مشکوۃ
مین اسطرح کیا ہی کہ از تمام ایمان بآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنست کہ اعتقاد کند
کہ جمع نشدہ در ظاہر صورت ہیچ آدمی از حسن لطافت انچہ جمع شدہ در وی چنانکہ
جمع نشدہ در باطن سیرت ہیچ یکی از فضل و کمال انچہ جمع شدہ در وی زیرا کہ

رموز اوقاف کے بغیر ایک صفحہ

اسی کو سامنے صفحے پر رموز اوقاف کے بعد ملاحظہ کیجیے:

فصل

(ذکر میں، بعض شمائل کے)

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — میانہ قد، سفید رنگ، سرخی آمیز تھے۔ درمیان ہر دوشانے کے، قدرے بُعد تھا۔ موئے سر، نرمۂ گوش تک پہنچتے تھے۔ حد پیری تک نہیں پہنچے تھے، سرو ریش میں کوئی بیس بال سفید ہوں گے۔ چہرۂ مبارک — مثل ماہ نیم ماہ کے چمکتا تھا۔ نیک تن، معتدل بدن تھے۔ خاموش ہوتے تو مہابت و بزرگی ظاہر ہوتی؛ بات کرتے تو لطف و نازکی نکلتی؛ دور سے جو کوئی دیکھتا، جمال ونزاکت پاتا؛ پاس سے جو کوئی دیکھتا، ملاحت وشیرینی سمجھتا۔ شیریں گفتار، کشادہ پیشانی، دراز و باریک ابرو، غیر پیوستہ بلند بینی، نرم رخسار، کشادہ دہان، روشن دندان تھے — درمیان ہر دوشانے کے، مہر نبوت تھی۔ آپ کا واصف کہتا ہے: ''میں نے کوئی شخص آپ کی طرح کا، آپ سے پہلے اور آپ سے پیچھے نہیں دیکھا'' ----

(رموزِ اوقاف کے بعد عبارت)

ہماری ایک قدیم کتاب کا صفحہ (بغیر رموزِ اوقاف کے)

بعض شعرا کی تعریف بہت کی ہے خصوصًا اپنے اُستاد مومن خان مومن کی تعریف اور نقل اشعار مین بہت سا
تذکرے کا صرف کیا ہے اور بعض شعرا کو سخت عیب لگایا ہے چنانچہ میان یحییٰ امان عرف قلندر بخش جراُت
کی نسبت بہت کچھ موتی اُگلے مین لکھتے ہین کہ یہ شخص اُصول و قوانین شاعری سے بہرہ نرکھتا تھا نغمات خارج
از آہنگ گاتا تھا اور اُسکی ناموری کا باعث یہ ہوا کہ اشعار موافق طبائع اوباش و الواطکے کہتا تھا ہم کہتے ہین
کہ جراُت بڑا خوش فکر تھا اُسکی نازک خیالی سب پر ظاہر ہے ممنون خوش مذاق شعر عاشقانہ کہنے مین طاق تھا عاشق
و معشوق کے راز و نیاز اور حُسن و عشق کے معاملون کو جس شوخی اور جو چلے بن سے اُسنے برتا ہے وہ اُسی کا حصہ ہے
جراُت سا شاعر معاملہ بند کم گذرا ہے اور اس امر سے ہر شخص کو اقرار ہے چنانچہ نواب مصطفٰے خان نے اس مضمون کو
یون ادا کیا ہے "جو مضامین درمیان عاشق و معشوق کے گذرتے ہین اکثر موزون کرتا تھا طبیعت ذکی رکھتا تھا
اور اپنے اُستاد حسرت کا فخر تھا انتہٰی" یہ بھی عجب بات ہے کہ جراُت کے کلام مین رطب و یابس بہت نہین ہے
اور وہ غزل گوئی مین اگرچہ میر کا تبع ہے مگر میر کی فصاحت اور سادگی پر ایک شوخی اور بانکپن کا انداز ایسا
بڑھایا ہے کہ خود صاحب طرز ہو گیا ہے اُسکی طرز اُسی کا ایجاد ہے اور آجتک اُسی کے لیے خاص ہے جیسے
اُسوقت مقبول خلائق تھی آجتک ویسی ہی چلی آتی ہے - اسی طرح سید انشاء اللہ خان کی نسبت جو ایک
مشہور شاعر تھے لکھا ہے کہ اُنکے کلام کی روش طریقۂ راسخہ پر نہین اور علم تو اسقدر نہ تھا مگر ہر فن مین کوس لمن
الملکی بجاتے تھے اور مشاعرات و مطارحات سے شعراے معاصرین کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا مین کہتا ہون کہ میر
انشاء اللہ خان علم تازہ طبع بلند آوازہ رکھتے تھے کلام اُنکا عالی الفاظ رکاکت سے خالی سقم سے پاک عیب سے
نہان ہے سابقین جو موجد فن تھے اُنکے دیوانون مین دس پانچ شعر مثالی صنائع و بدائع وغیرہ کے دیکھنے مین
آتے ہین منصف مزاج انشا کا کلام دیکھے اور غور کرے کوئی تحریر کیفیت سے خالی اور کوئی مضمون نادرست
نہین ہر ایک غزل مطلع سے لیکر مقطع تک پری کی صورت ہے بیان کا لطف محاورے کی نمکینی ترکیبون کی
خوشنمائی رنگینی دل کو تڑپا دیتی ہین - علم کے ساتھ شوخی طبع و ظرافت بہت تھی اسلیے اُنھون نے کلام کا انداز لیا
ہم مطلب ہے کہ جو چاہتے ہین سو کہ جاتے ہین نہین معلوم ہوتا کہ ان کا روزمرہ یہی ہے یا مسخرہ پن کرتے ہین جو غزلین یا
غزلون مین اشعار با اُصول ہو گئے ہین وہ ایسے ہین کہ جواب نہین اُنکی غزلون مین جو غزلیت کے اُصول کی پابندی
نہین تو وجہ اسکی یہ ہے کہ اُن کی غزلین اکثر سنگلاخ زمین مین ہوتی تھین پھر اُس مین قافیے نہایت سخت

ایسی کتاب کا پڑھنا دشوار، اور سمجھنا دشوار تر!

رموزِ اوقاف کے بعد

بعض شعراء کی تعریف بہت کی ہے۔ خصوصاً، مومن خان مومنؔ کی تعریف اور نقل اشعار میں بہت سا حصہ صرف کیا ہے، اور بعض شعرا کو مفت کا عیب لگایا ہے۔ چنانچہ، میاں یحییٰ امان عرف قلندر بخش جرأتؔ کی نسبت بہت کچھ "موتی" اگلے ہیں، لکھتے ہیں:۔

"یہ شخص اصول وقوانین شاعری سے بہرہ نہ رکھتا تھا۔ نغمات، خارج از آہنگ گاتا تھا — اور — اس کی ناموری کا باعث یہ ہوا کہ اشعار، موافق طبائع اوباش والواط کے کہتا تھا۔"

ہم کہتے ہیں: جرأتؔ بڑا خوش فکر تھا۔ اس کی نازک خیالی سب پر ظاہر ہے۔ سخن درِ خوش مزاج، شعرِ عاشقانہ کہنے میں طاق تھا ؛ عاشق ومعشوق کے راز ونیاز اور حسن وعشق کے معاملوں کو جس شوخی اور چونچلے پن سے برتا ہے، وہ اسی کا حصہ ہے۔ جرأتؔ سا شاعر کم گزرا ہے اور اس امر سے ہر شخص کو اقرار ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے:۔

"جو مضامین، درمیان عاشق معشوق کے گزرتے ہیں، اکثر موزوں کرتا تھا۔ طبیعت ذکی رکھتا تھا۔ اپنے استاد، حسرتؔ کا فخر تھا۔"

(یہ عبارت رموزِ اوقاف کے بعد کتنی روشن اور واضح ہوگئی ہے۔)

مسافر نے ایسا سورج افق تک پہنچ جاتی ہیں حوالہ متن مذکورہ بالا اقتباس ہمارے دور کے صاحب طرز ادیب مختار مسعود کی کتاب سفر نصیب سے ماخوذ ہے سیاق وسباق مصنف نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصے کے دو دو عنوانات ہیں پہلے حصے میں برف کدہ اور پس انداز دوسرے میں طرفہ تماشا اور زاد سفر ان میں برف کدہ اور طرفہ تماشا کے عنوانات کے تحت مصنف نے اپنی دنیا بھر کی سیاحتوں کی نہایت دلکش انداز میں جھلکیاں دکھائی ہیں اور باقی عنوانات کے تحت دو انتہائی دلچسپ شخصیتوں کے خاکے کھینچے ہیں موقع محل تشریح طلب اقتباس کتاب کے دوسرے حصے طرفہ تماشا سے لیا گیا ہے جہاں مصنف چولستان کے سفر میں طلوع آفتاب کی منظر کشی کر رہے ہیں

(رموز اوقاف کے بغیر ایک عبارت)

''مسافر نے ایسا سورج ــــــــــــــــــــــــــــــــــ افق تک پہنچ جاتی ہیں۔''

حوالۂ متن:

مذکورہ بالا اقتباس ہمارے دور کے صاحبِ طرز ادیب مختار مسعود کی کتاب ''سفر نصیب'' سے ماخوذ ہے۔

سیاق وسباق:

مصنف نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور ہر حصے میں دو دو عنوانات ہیں۔ پہلے حصے میں: ''برف کدہ'' اور ''پس انداز'' — دوسرے میں: ''طرفہ تماشا'' اور ''زادِ سفر''۔ ان میں ''برف کدہ'' اور ''طرفہ تماشا'' کے عنوانات کے تحت، مصنف نے اپنی دنیا بھر کی سیاحتوں کی نہایت دلکش انداز میں جھلکیاں دکھائی ہیں۔ اور، باقی عنوانات کے تحت دو انتہائی دلچسپ شخصیتوں کے خاکے لکھے ہیں۔

موقع محل:

تشریح طلب اقتباس کتاب کے دوسرے حصے کے عنوان ''طرفہ تماشا'' سے لیا گیا ہے، جہاں مصنف چولستان کے سفر میں طلوعِ آفتاب کی منظر کشی کر رہے ہیں۔

(رموزِ اوقاف کے استعمال کے بعد سامنے کی عبارت خوش نما، روشن اور بامعنی نظر آ رہی ہے۔)

ایک طالب علم کی تحریر۔۔۔ الفاظ کا جنگل۔۔۔ اگر خوش خط اور رموزِ اوقاف کی مدد سے لکھا جاتا، تو زیادہ واضح اور زیادہ نمبر کا مستحق ہوتا۔ اسی تحریر کو نیچے رموزِ اوقاف کے استعمال کے بعد ملاحظہ کیجیے:

○

کہ حسین بھی رو پڑا۔ اور، کہنے لگا کہ میں دنیا میں جاتے ہی اپنے آپ کو ختم کر لوں گا، تاکہ، تمہارے پاس واپس آ سکوں۔ لیکن، زمرد نے اسے فوراً ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ کیوں کہ، خودکشی کی صورت میں جنت اس پر حرام ہو جاتی ۔۔۔ حسین کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔ اور، وہ زار و قطار رونے لگا۔ جب کہ زمرد اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہنے لگی کہ اگر وہ پھر جنت میں واپس آنا چاہتا ہے، تو، دنیا میں جا کر انہی لوگوں کی اطاعت کرے جنھوں نے اسے پہلے جنت میں بھیجا تھا۔۔۔۔۔۔۔

کتاب لکھنے کا سبب؟

''رموزِ اوقاف'' کی ترکیب — انگریزی کے لفظ ''پنکچوایشن'' (Punctuation) کے مترادف ہے، جسے تحریر کے ظاہری اور معنوی حسن کی جان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی لیے جو لوگ اُردو زبان و ادب کی ترقی کے خواہاں رہے ہیں وہ اس زبان میں ''رموزِ اوقاف'' کے استعمال پر زور دیتے چلے آ رہے ہیں۔ سرسیّد، بلکہ ان سے بھی پہلے یہ احساس موجود رہا ہے اور اس سلسلے میں کوششیں بھی کی جاتی رہی ہیں کہ اردو تحریروں کی بدہیئتی اور ابہام کو دور کیا جا سکے — لیکن، حقیقت یہ ہے کہ سو، ڈیڑھ سو برس کے اس عرصے میں، ماہرینِ لسانیات اور اُردو کے مویدین کی مخلصانہ کوششوں کے باوجود، آج تک اردو میں ''رموزِ اوقاف'' کے استعمال کو خاطر خواہ فروغ حاصل نہ ہو سکا —— سرسیّد سے لے کر آج تک اس موضوع پر مضامین بھی لکھے گئے ؛ کتابچے اور مقالات بھی سامنے آئے ؛ بحث و مباحثے ہوئے ؛ کمیٹیاں تشکیل دی گئیں ؛ سیمینارز منعقد ہوئے ؛ بڑی عمدہ تجاویز بھی دی گئیں — اس کے نتیجے میں سرسیّد اور پھر مولوی عبدالحق کے کچھ ابتدائی کام سامنے بھی آئے، اور ان کے بعد زیادہ تر انہی سے خوشہ چینی کی گئی ہے — لیکن، عملاً اب تک یہ سلسلہ صرف علمی مباحث تک ہی محدود رہا — عوامی سطح تک تو کیا ابتدائی جماعتوں سے لے کر اعلیٰ اور منتہی جماعتوں تک اس کے اثرات نہ پہنچ سکے — عام لوگوں سے قطع نظر خواص کو بھی اندازہ نہیں کہ ''رموزِ اوقاف'' کی حقیقت کیا ہے؟ ان کی افادیت اور اہمیت کیا ہے؟ انہیں نہ صرف اردو زبان و ادب بلکہ قومی ترقی سے کیا تعلق ہے؟

ان حالات میں ایک خوش آئند بات، البتہ، یہ ہوئی کہ جون ۱۹۸۵ء میں ''مقتدرہ'' اسلام آباد کے تحت قومی زبان کے مسائل کے سلسلے میں منعقدہ سیمینارز میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اور دیگر ماہرین نے ''رموزِ اوقاف'' کے سلسلے میں ایک عمدہ تجویز یہ دی کہ:-

> ''ہر سطح کی درسی کتابوں میں ان علامتوں کے درست استعمال کے علاوہ عملی تربیت کے لیے اسکول کی سطح پر کسی درجے میں (نویں یا دسویں جماعت میں) اسے نصاب کا جزو بنایا جائے، تاکہ آنے والی نسلیں ان علامتوں کے استعمال پر اس طرح قادر ہوں کہ یہ ان کی فطرتِ ثانیہ بن جائے۔''(۱)

اور، خوش قسمتی سے اُس وقت یہ ایک اچھا قدم اٹھایا گیا کہ اس موضوع کو (میٹرک میں تو نہیں) انٹرمیڈیٹ کی سطح پر نصاب

میں شامل کر دیا گیا۔ لیکن، ہمارے تعلیمی اداروں میں کہیں ایک آدھ جگہ اس کی تدریس پر توجہ دی گئی ہو تو ہو — اور اسے
بھی استثنائی صورت سمجھیے — ورنہ، عموماً ایسی بے دلی سے اس پر عمل ہوا کہ یہ اقدام بھی اپنے مطلوبہ ہدف کے حصول میں غیر
موثر ہو کے رہ گیا — ایک بڑی وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ اردو میں اس موضوع پر مواد نہ ہونے کے برابر ہے۔

توضیحی کتب نویسوں نے اس موضوع کی خانہ پُری کے لیے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی ''قواعدِ اردو'' سے،
جو تھوڑی بہت توضیحات اردو میں قابلِ توجہ ہیں، اخذ کیں، لیکن اکثر اس انداز سے کہ جن علامتوں کے استعمال کے مواقع
بیان کیے گئے ہیں، اسی باب میں بلکہ پوری کتاب میں اس کے استعمال کے حوالے سے فاش غلطیاں موجود ہیں۔ ایسے
میں، ان کتب سے طلبہ کیا روشنی حاصل کر سکتے ہیں؟

امتحانات کے پرچوں میں دیکھیے، جب سے موضوع نصاب میں شامل ہوا ہے اس سے متعلق جس انداز سے
سوال پوچھے جا رہے ہیں اس سے پرچہ بنانے والوں کی اس موضوع سے بے توجہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سوال پوچھا جاتا ہے
تو یوں :-

☆ فلاں علامت پر نوٹ لکھیے۔

☆ فلاں علامت کی تعریف کیجیے اور دو مثالیں دیجیے۔

حالانکہ، علامتوں کے استعمال کے مواقع پوچھنے چاہئیں، اور ان مواقع کی مثالیں پوچھی جائیں —— بلکہ، زیادہ بہتر تو یہ تھا
کہ بغیر رموزِ اوقاف کے عبارتیں امتحان میں دی جاتیں اور طلبہ سے کہا جاتا کہ مناسب جگہوں پر رموزِ اوقاف لگائیے —
لیکن، برسہا برس میں، ایک بار بھی، یہ سوال اس انداز سے نہیں پوچھا گیا — شاید، اس لیے بھی کہ اس میں طالب علم کے
ساتھ خود ممتحن کی آزمائش کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کو نصاب میں شامل کرنے کا فیصلہ بڑا مستحسن تھا، اور اس کی تفہیم اور عملی تربیت پر
بھرپور توجہ دی جاتی، تو آج اس کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہو چکے ہوتے، لیکن، ایسا نہیں ہوا۔ آج (۲۰۰۷ء)
بھی صورتحال وہی ہے جس کی بیس بائیس برس پہلے ڈاکٹر ممتاز منگلوری نے بجا طور پر نشاندہی کی تھی، انہوں نے کہا تھا :-

''میری دانست میں اس وقت ہماری قومی زبان میں املا کے مسائل سے کہیں زیادہ توجہ طلب مسئلہ
'رموزِ اوقاف' کا ہے۔''(۲)

میں سمجھتا ہوں، اور تاریخِ عالم اس بات پر گواہ ہے کہ جس قوم نے بھی دنیا میں ترقی کی منزلیں طے کی ہیں وہ ''علم'' کی بنیاد
پر —— اور، ظاہر ہے ''علم'' کا سرچشمہ ''کتاب'' ہے۔ آج بھی جو قومیں ترقی یافتہ ہیں، ان کے افراد کا کتاب

سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اور ، جو قومیں زوال آمادہ اور زوال پذیر ہیں ، ان میں کتاب سے لاتعلقی عام نظر آئے گی۔ ہمارا معاشرہ بھی اسی بیماری کا شکار ہے۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کتاب سے بے رغبتی کے بہت سے عوامل میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہماری کتابیں اور ہماری تحریریں رموزِ اوقاف سے عاری ہو کر اپنا حقیقی حسن اور دلکشی کھو بیٹھتی ہیں۔

رموزِ اوقاف کے بغیر ہمارے طلبا کے پرچے الفاظ کا ایک جنگل نظر آتے ہیں ، کتابیں بد ہیئت دکھائی دیتی ہیں۔ اردو کی بیشتر مطبوعات پر وہی رائے کسی حد تک آج بھی صادق آتی ہے جو پروفیسر نعیم الرحمٰن الہ آبادی نے ۱۹۲۳ء میں دی تھی ، انہوں نے لکھا تھا :-

> ''ان سب مطبوعات کے ایک سرسری مطالعے سے ہی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں اوقاف کا استعمال جس طور سے کیا جاتا ہے، اس کی توصیف میں سوا اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے لکھنے والوں کی انتہائی بدتمیزی اور بدمذاقی کا پتہ چلتا ہے۔'' (۳)

یہ صورت حال اب بھی زیادہ مختلف نہیں ــــــ رموزِ اوقاف پر معلومات انتہائی تشنہ ہیں۔ کاتب اور کمپوزر تو کیا؟ طلبا، اساتذہ اور مصنفین تک شاذ ہی رموزِ اوقاف کا اہتمام کرتے ہیں ، بلکہ ، جتنے مرحلوں سے کتاب گزرتی ہے ، ہر مرحلے پر 'رموزِ اوقاف' ہی نشانۂ ستم بنتے ہیں ــــ بقول ڈاکٹر ممتاز منگلوری ، صورت حال کچھ یوں بنتی ہے :-

> ''کچھ غلطیاں مصنف کی ، کچھ ایڈیٹر کی ، کچھ کاتب یا خوش نویس صاحبان کی اور کچھ پروف ریڈر صاحبان کی ــــــ سب مل کر کتاب میں رموزِ اوقاف کا وہ نمونہ پیش کرتی ہیں جو دیدنی ہے۔'' (۴)

''رموزِ اوقاف'' کی اہمیت اور اس کے دور رس اثرات کے پیشِ نظر، یہ قومی سطح کا کام ہے جو کیا جانا چاہیے ــــ اور ــــ پچھلے ڈیڑھ سو برس میں مسلسل یہ تجاویز آ رہی ہیں کہ : 'یہ کام ہونا چاہیئے۔' اور، جیسا کہ قبل ازیں کہا گیا کہ کچھ کام ہوا بھی! ــــــ لیکن جس وسعت کا یہ موضوع متقاضی تھا ، ویسا کام نہیں ہوا۔ اسی لیے اسلام آباد کے مذکورہ سیمینارز میں ایک بار پھر بڑی اہم سفارشات مرتب ہوئیں ، لب لباب یہ تھا :-

> '' 'مقتدرہ قومی زبان' بلا تاخیر ماہرینِ زبان و ادب کی کمیٹی مقرر کرے جو درج ذیل فریضے سرانجام دے :-
>
> (الف) اردو میں قابل استعمال رموزِ اوقاف کی جامع اور مانع فہرست (بالخصوص انگریزی قواعد، زبان، روزمرہ اور انشاء کی معیاری کتابوں کے مطالعے کے بعد) تیار کرے۔

(ب) ان رموزِ اوقاف میں سے ہر علامت کے لیے ایک معیاری اور آسان نام تجویز کرے۔

(ج) ان رموزِ اوقاف کے صحیح استعمال کی جامع مثالیں کامل استعصا سے تیار کرے، بالخصوص انگریزی کتب کے مطالعے کے بعد۔''(۵)

علاوہ ازیں، علامتوں کی واضح اشکال، سطور میں ان کی درست پوزیشن کا تعین، خصوصاً مواقعِ استعمال کی تفصیلات پر زور دیا گیا۔ یہ بھی تجویز دی گئی کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کی حوصلہ افزائی کی جائے، نیز ''مقتدرہ'' اور دیگر ایسے ادارے ان کی ترویج و اشاعت میں کوشش کریں۔

لیکن کمیٹی بن جانے اور بیس بائیس برس گزر جانے کے باوجود بھی کوئی ایسی کتاب مرتب نہ کی جا سکی جس میں رموزِ اوقاف سے متعلق مکمل تفصیلات ہوں، اور اس سلسلے میں پیش آمدہ مشکلات و مسائل کا حل موجود ہو۔ راقم الحروف کو اس موضوع سے زمانہ طالب علمی سے دلچسپی رہی ہے۔ نصاب میں شامل ہونے کے بعد بیس بائیس برس کی تدریس کے دوران اردو اور انگریزی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں، طلبا کے نت نئے سوالات کے حوالے سے جو روشنی ملتی ہے اور جو نکات ذہن میں آتے ہیں وہ بڑا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں، پھر یہ کہ اس سلسلے میں ماہرین لسانیات اور دانشوروں کے تمام مشورے اور تجاویز میرے سامنے تھیں ـــ چنانچہ، انھی عوامل نے میری ہمت بندھائی کہ اپنی بساط کے مطابق اس مشکل موضوع پر قلم اٹھاؤں۔

کتاب کے آغاز میں اُردو میں اس موضوع پر اب تک ہونے والے کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے ـــ بعد ازاں، رموزِ اوقاف کی حقیقت، اس کی جامع تعریف، اس کی اہمیت و افادیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے ـــ ان علامتوں کی اشکال اور مقام و محل کی تعیین، علامتوں کی تعداد سے متعلق حقائق اور انگریزی زبان سے ہی ان علامتوں کے اخذ کرنے کی توجیہہ کے علاوہ سب سے زیادہ تفصیلی اور غور طلب باب وہ ہے، جس میں تمام ممکنہ علامتوں کے استعمال کے مواقع کے سلسلے میں مستند انگریزی کتب، دانشوروں کی آراء اور خود اپنے تجربے اور غور و فکر کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے ـــ علامتوں سے متعلق مشقیں اور آخر میں اسی ترتیب سے ان کا حل بھی دیا گیا ہے تا کہ، طلبا پہلے خود کوشش کریں اور بعد ازاں حل کے مطابق تصحیح کر لیں ـــ تحقیقی کتب میں حوالہ جات کے بارے میں نیز پروف ریڈنگ کے سلسلے میں ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ اصل متن اور دیباچے سے پہلے کچھ عملی نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں تا کہ عام قاری کو ایک نظر میں اندازہ ہو جائے کہ حسنِ تحریر کے مقصد کے حصول میں رموزِ اوقاف کی کیا اہمیت ہے؟ کوشش کی گئی ہے کہ کتاب مستند، جامع اور قطعیت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہو، تا کہ ہر شخص اسے دلچسپی سے پڑھے اور ادباء و شعراء، صحافی

اور طلبا (ابتدائی جماعتوں سے پی ایچ۔ڈی کی سطح تک) کے علاوہ قومی سطح پر رموز اوقاف کے استعمال کا واضح شعور پیدا ہو۔ اس طرح، ہماری کتب خوش نما اور تحریریں دلکش نظر آئیں — مطالعہ کتب کا رجحان بڑھے — اور — یوں، خدا کرے، یہ تحریک اردو میں علمی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو!

۳ جون ۲۰۰۷ء

(پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد عارف)
۳۴۱-سی،
سیٹلائٹ ٹاؤن، بہاول پور۔

باب اوّل

اُردو میں رموزِ اوقاف کی روایت پر ایک طائرانہ نظر

☆ معروف محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی تحقیق کے مطابق اردو میں رموزِ اوقاف کا استعمال اٹھارویں صدی عیسوی تک بالکل نہیں تھا ، حتیٰ کہ جملے کے اختتام پر بھی کوئی علامت نہیں ہوتی تھی ۔ (۱)

☆ انیسویں صدی کے ربع اوّل میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ ، اور بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی کے تحت اردو ٹائپ میں مطبوعہ کتب میں اختتام جملہ پر ستارے (*) کا نشان ملتا ہے۔یہی نشان سرسید کے رسالے ''تہذیب الاخلاق'' میں مستعمل نظر آتا ہے۔(۲)

☆ 'رموزِ اوقاف' کے استعمال کے سلسلے میں پہلی تحریری کاوش بمبئی کے ایک صاحب منشی غلام محمد کی ہے ، جنہوں نے ۱۸۷۲ء میں ''نجوم العلامات'' کے عنوان سے ایک جامع رسالہ تحریر کیا۔اس میں قرآنی رموزِ اوقاف کو بنیاد بنایا گیا تھا۔(۳)

☆ سرسید کی نظر سے یہ رسالہ گزرا تو انہوں نے اس کے مندرجات کو بہت سراہا ، لیکن ، اسی خیال کو آگے بڑھاتے ہوئے انگریزی سے ماخوذ بارہ علامتوں کے استعمال کی تجویز پیش کی — اور — انتہائی پر مغز مضمون تحریر کیا (۴)۔ اس مضمون کی خصوصیت یہ ہے کہ سرسید نے مجتہدانہ انداز میں علامتوں کے استعمال پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

☆ ۱۸۷۶ء میں محکمہ تعلیم پنجاب (حکومت دہلی) نے چند علامات وقف : ندائیہ ، سوالیہ ، ختمہ اور سکتہ کے استعمال کی ہدایات جاری کیں۔ ختمہ کی علامت جمع (+) اور سکتہ کی دو نقاط کے بقدر (–) ڈیش کی علامت تھی۔

☆ مولانا حالؔی کے ''یادگارِ غالب'' کے اوّلین ایڈیشن میں ، جو ۱۸۹۷ء میں رحمت اللہ پریس کانپور سے شائع ہوا ، اس میں پہلی مرتبہ شعوری طور پر بیشتر مجوزہ رموزِ اوقاف کا استعمال کیا گیا۔لہٰذا، رموزِ اوقاف کے کتب میں استعمال کو بھی حالؔی کی اوّلیات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

☆ ۱۹۰۲ء میں مولوی نظام الدین حسن تونوی نے ایک کتاب ''اوقاف العبارت'' کے عنوان سے تحریر کی ، جو ۱۹۰۳ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی —— یہ کتاب فل سکیپ سائز کے تریسٹھ صفحات پر مشتمل تھی۔

اس میں بھی منشی غلام محمد کی مذکورہ کتاب ''نجوم العلامات'' کی طرح قرآنِ کریم کے رموزِ اوقاف سے ہی بحث کی گئی ہے — آخری دو صفحات میں رموزِ اوقاف ''بہ طرز مغربین'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں کاما، سیمی کولن، فل سٹاپ، انورٹڈ کاماز، سوالیہ، ندائیہ اور قوسین کی علامتیں شامل ہیں۔

☆ بیسویں صدی کے ربع اوّل ہی میں امتیاز علی تاج کے والد سیّد ممتاز علی نے رسالہ ''کہکشاں'' (لاہور) میں ان علامتوں کے استعمال کی اہمیت پر زور دیا۔

☆ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے رسالہ ''اردو'' میں حیدرآباد دکن کے پروفیسر ہارون خاں شروانی نے اردو رسم الخط پر بحث کرتے ہوئے ایک اعلیٰ سطح کی کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی جس میں رموزِ اوقاف کے سلسلے میں مذکورہ ذیل نکات پر غور کیے جانے کا مشورہ دیا گیا :-

(الف) رموزِ اوقاف کے استعمال نہ کرنے سے اردو زبان کو کوئی نقصان پہنچا ہے یا نہیں ؟

(ب) رموزِ اوقاف سے متعلق انگریزی علامتیں بجنسہٖ لے لی جائیں یا ان میں ترمیم ہو ؟

☆ اپریل ۱۹۲۳ء میں رسالہ ''اردو'' ہی کی اشاعت میں پروفیسر نعیم الرحمٰن الہ آبادی نے ایک زوردار مضمون رموزِ اوقاف کے استعمال کے حق میں تحریر کیا، جس میں رموزِ اوقاف کے استعمال کو انتہائی ضروری قرار دیا گیا — اور — انگریزی کی بارہ علامتوں کو جوں کا توں قبول کر لینے کا مشورہ دیا گیا۔

☆ اُردو میں رموزِ اوقاف کی ترویج کے لیے ۱۹۲۳ء میں سات اہم علمی شخصیتوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، تاکہ انگریزی سے ماخوذ علامتوں کا تعین کرے، ان کے اردو نام اور علامتوں کے محل استعمال کی وضاحت کرے۔ کمیٹی کے ارکان حسب ذیل تھے :-

(۱) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی،

(۲) مولوی عنایت اللہ،

(۳) سیّد ہاشمی فرید آبادی،

(۴) مولوی وحیدالدین سلیم پانی پتی،

(۵) سیّد احمد علی،

(۶) مولوی سجاد مرزا، اور

(۷) مولوی عبدالحق۔

اس کمیٹی نے نو علامات کے استعمال کی تجویز تو دی ، لیکن ، ان کے استعمال کے مواقع کی وضاحت نہیں کی۔ اس موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھتے ہوئے محمد احسن نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے لکھا تھا : ''کاش ! وہ یہ کام بھی کر جاتے۔'' (۵)

☆ البتہ، مذکورہ کمیٹی کے ارکان میں سے ایک رکن (بابائے اُردو) مولوی عبدالحق نے اپنی تصنیف ''قواعدِ اردو'' کے چوتھے ایڈیشن میں ، جو ۱۹۴۱ء سے قبل شائع ہوا تھا ، ''رموزِ اوقاف'' پر ایک قیمتی باب کا اضافہ کیا، جس میں انہوں نے انگریزی سے ماخوذ گیارہ علامتوں کے اردو نام اور ان کے استعمال کے مواقع بیان کیے۔

☆ مولوی عبدالحق کے اس وقیع بنیادی مضمون پر آج تک کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو سکا —— قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۶۰ء میں ایک کتابچہ ''اردو املا'' کے عنوان سے حیدر آباد دکن سے شائع ہوا جسے ''حیدر آباد سٹی کالج'' حیدر آباد دکن کے سابق لائبریرین غلام رسول نے تحریر کیا تھا —— اس کے آٹھویں باب میں رموزِ اوقاف کے استعمال کے سلسلے میں مولوی عبدالحق ہی کی مجوزہ علامتوں کے استعمال کی تائید و توثیق کی گئی تھی —— البتہ ، صرف ایک زائد علامت کے استعمال کے مشورے کے ساتھ اور وہ ہے : ''نقطے'' —— جو محذوف الفاظ کی جگہ لگائے جاتے ہیں۔

☆ مذکورہ کتاب کے تیرہ برس بعد یعنی ۱۹۷۳ء میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے ''جامع القواعد'' (حصہ نحو) میں تقریباً مولوی عبدالحق ہی کی علامتوں کے استعمال کی تائید و توضیح کی۔

☆ ۱۹۷۳ء ہی میں ''ترقی اردو بورڈ'' بھارت، کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر سیّد عابد حسین کی صدارت میں ''املا کمیٹی'' تشکیل دی گئی، جن میں دو دوسرے سکالرز تھے : رشید حسن خاں اور دوسرے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔ اس کمیٹی کا مقصد املا اور رموزِ اوقاف کی معیار بندی تھا۔ ''اردو املا نامہ'' میں کمیٹی نے مولوی عبدالحق ہی کی تائید کی ہے۔ البتہ، ''قوسین'' کے سلسلے میں اسے چھوٹے ، بڑے اور منجھلے قوسین میں تقسیم کیا ہے۔

☆ ستمبر ۱۹۸۰ء میں ''نگار'' پاکستان، کا خصوصی شمارہ ''املا نمبر'' شائع ہوا ، جس میں اشعار میں بھی رموزِ اوقاف کے استعمال کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ علامات کے حوالے سے توضیحات مولوی عبدالحق ہی کی معلومات کی بنیاد پر کی گئی ہیں۔

☆ ''روداد سیمینار'' (۱۹۸۵ء) کے ایک سکالر محمد احسن نے اپنے وقیع مقالے میں رشید حسن خاں کے

رموزِ اوقاف پر لکھے ہوئے ان چند صفحات کی بہت تعریف کی ہے جو ان کی ضخیم کتاب بعنوان : ''اردو املا'' میں شامل ہیں۔ حالانکہ، رشید حسن خاں نے چند علامتوں یعنی : زنجیرہ، تفصیلیہ اور خط ——— کو غیر ضروری قرار دیا ہے، مولوی عبدالحق ہی کی تقلید و تائید کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ :-

''علامتِ اوقاف کے بیان کو مولوی صاحب مرحوم نے نہایت خوبی اور مناسب تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور ہر علامت کے ذیل میں مثالیں بھی لکھی ہیں۔ میں ان مثالوں کو مختصر کر کے اس بیان کو وہیں سے نقل کرتا ہوں، کیونکہ اس سے زیادہ اختصار اور خوبی کے ساتھ اور کیا لکھا جائے گا ——— کم از کم میں نہیں لکھ سکتا۔''(۶)

☆ ''اردو املا اور رموزِ اوقاف'' کے مسائل پر غور کرنے کے لیے بڑے اہم اجلاس ۱۹۸۵ء میں اسلام آباد میں منعقد ہوئے، جن کی روداد اعجاز راہی نے مرتب کی۔ یہ روداد ——— ''روداد سیمینار'' کے عنوان سے مقتدرہ قومی زبان (اسلام آباد) کے ادارے کے تحت نومبر ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں کلیدی مضمون محمد احسن خاں کا بعنوان: ''اردو میں رموزِ اوقاف کا استعمال اور اصلاحی تجاویز'' ہے اور دیگر اسکالرز ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ، ڈاکٹر ممتاز منگلوری وغیرہ نے پر مغز معلومات، تجاویز اور سفارشات پیش کیں، جو دو اہم تجاویز واضح طور پر سامنے آئیں وہ یہ تھیں :-

ایک: رموزِ اوقاف کے موضوع پر علامتوں کے محل استعمال پر انگریزی کتب سے استفادے کے بعد تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔

دوسری: رموزِ اوقاف کو کالج یا اسکول کی سطح پر نصاب کا جزو بنایا جائے۔ اور ، اس سلسلے میں ایک کمیٹی بنائی گئی، جس میں مندرجہ ذیل ارکان شامل تھے :-

(۱) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، (۲) پروفیسر شریف کنجاہی،
(۳) مظفر علی سیّد، (۴) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،
(۵) ڈاکٹر ممتاز منگلوری، (۶) ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی۔ (حوالہ : ۷)

لیکن، اس سلسلے میں عملاً اب تک کوئی قابل توجہ کام سامنے نہیں آیا۔ ۱۹۸۶ء میں ، البتہ، ''مقتدرہ'' نے اردو املا اور رموزاوقاف پر ''منتخب مقالات'' شائع کیے (۸) جن میں سرسیّد، مولوی عبدالحق، رشید حسن خاں، نصیر احمد زار اور غلام رسول کے مضامین رموزِ اوقاف سے متعلق ہیں۔

باب دوم

رموزِ اوقاف کیا ہیں؟

مولوی عبدالحق نے رموزِ اوقاف کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

''اوقاف یا وقفے ان علامتوں کو کہتے ہیں، جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی ایک جملے کے حصے کو دوسرے حصوں سے علیحدہ کریں۔''(۱)

بہت سی اردو اور انگریزی کتب میں بھی بالعموم اسی مفہوم کی تعریفیں ملتی ہیں —— لیکن، یہ تعریف ایک عام طالب علم یا عام قاری کی سمجھ میں یوں نہیں آتی کہ وہ گریمر کی ان باریکیوں سے واقف نہیں ہوتا، جن کی بنیاد پر جملے یا جملے کے حصوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیے جانے کا ذکر کیا جاتا ہے —— چنانچہ، وہ اس ''تعریفی'' جملے کو پڑھ کر ابہام کا شکار ہو جاتا ہے، رموزِ اوقاف کی حقیقت تک اس کا ذہن نہیں پہنچ پاتا۔ اسی لیے، سب سے مقدم یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ رموزِ اوقاف ہیں کیا؟ —— اور —— تحریر میں ان علامتوں کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

'رموزِ اوقاف' کی حقیقت سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ — تحریر کیا ہے؟ — بظاہر یہ بات آسان معلوم ہوتی ہے کہ بس! تحریر، تحریر ہے!! —— لیکن، بات اتنی سادہ نہیں ہے۔ غور کیجیے جو کچھ ہم سوچتے ہیں یا محسوس کرتے ہیں، اس کا دو طرح اظہار کیا جاتا ہے — ایک: بول کر، دوسرے: لکھ کر —— بولنا، اگر یک طرفہ ہو تو 'تقریر' اور دو طرفہ ہو تو 'گفتگو' —— ہم جو کچھ بولتے ہیں وہی کچھ لکھتے ہیں۔ ہمارے بولنے کے عمل کا زیادہ تر دار و مدار الفاظ پر ہے۔ اور، الفاظ دراصل ان تصویروں کے قائم مقام ہوتے ہیں جو کہنے اور سننے والے کے درمیان بات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے رابطے کا کام کرتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے: ''میز'' —— اور سننے والے کے ذہن میں ایک مخصوص شکل ابھرتی ہے — جب، کہنے والا یوں کہتا ہے:-

''میز پر کتاب رکھی ہے۔''

تو، سننے والے کے ذہن میں ان لفظوں کے حوالے سے تصویروں کا (ایک خاص ترتیب سے) سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ یوں، تصویروں کا یہ تسلسل ایک دوسرے تک مفہوم پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ الفاظ کا یہ ذخیرہ اور اس کے

حوالے سے ذہنوں میں بننے والی یکساں تصاویر دراصل کسی خاص خطّے میں اس زبان کے بولنے والوں کا ایک مشترک سرمایہ ہوتی ہیں۔

تبادلہ خیالات، گفتگو اور تقریر کرنے والوں میں جو شخص الفاظ کی ترتیب اور بندش کے ذریعے دوسرے کے ذہن میں جتنی گہری، خوش نما اور دیرا اثر تصویریں بنا سکتا ہے وہ اتنا ہی دوسروں کو زیادہ متاثر کرسکتا ہے۔ اور، اس کی کامیابی کے امکانات اتنے ہی زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔لیکن، یہ بات قابل غور ہے کہ الفاظ کی اس تمام تر اہمیت کے باوصف موثر گفتگو، اور اظہار خیال کا انحصار صرف الفاظ ہی پر نہیں ہے — بلکہ — الفاظ ادا کرنے کے ساتھ ہم ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تصویروں کو زیادہ واضح ، گہرا اور مؤثر بنانے کے لیے لہجے کے زیروبم، چہرے کے تاثرات، ہاتھوں کی حرکات سر کی جنبش، اشارات اور مختلف دورانیے کے وقفوں سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً ہم ''نہیں'' کہہ کر اپنے سر کو دائیں بائیں ہلاتے ہیں یا ہاتھوں کو ہلا کر نفی کے تاثر کو گہرا کرنے کی کوشش کرتے ہیں —— ''ہاں'' کہتے ہیں تو سر کو اوپر نیچے ہلا کر اثبات کے تصویری نقش کو مزید گہرا کر دیتے ہیں — اسی طرح ، جب ایک جملہ بول چکتے ہیں تو اس کے — تصویری نقش کو زیادہ گہرا ہونے دینے کے لیے وقفہ دیتے ہیں یعنی ایک لمحے کو رک جاتے ہیں۔

جذبوں کے اظہار کے لیے بھی، اسی طرح، ہم الفاظ کے علاوہ جسمانی حرکات سے کام لیتے ہیں۔ غصے میں بولتے ہوئے ہم پیر پٹختے ہیں — میز پر مکا مارتے ہیں — حیرت کے موقع پر ہماری آنکھیں کھل جاتی ہیں، ہم سیدھے کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں — سوال کرتے ہیں تو قدرے آگے جھک جاتے ہیں۔ وجہ؟ وہی کہ ہم ان حرکات سے ان الفاظ کے تصویری نقوش گہرا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا، موثر گفتگو صرف الفاظ پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ مذکورہ عوامل بھی ضروری اجزاء ہیں۔ یوں، ہمارے خیالات و جذبات کا ابلاغ زیادہ موثر ہو جاتا ہے، اور یہی انسان کی بنیادی خواہش ہے۔

آپ کسی ایسے شخص کا تصور کیجیے جس کا چہرہ جذبات و تاثرات سے خالی ہو ، وہ بالکل جامد و ساکت کھڑا ہو، اس کے صرف ہونٹ ہل رہے ہوں — اور — الفاظ بڑی تیزی سے بغیر کسی وقفے کے نکلے چلے جا رہے ہوں ، بھلا سوچیے ! اس کی بات سمجھنے میں کتنی دشواری ہوگی !؟ — مذکورہ بالا عوامل کے بغیر اس کی گفتگو یا تقریر کس قدر سپاٹ، بے کیف اور لایعنی ہو جائے گی!

خیال کیجیے کہ اب ہم اگر یہی گفتگو، بات یا تقریر، تحریر میں لانا چاہیں تو الفاظ ہی الفاظ کی قطاریں تو نظر آئیں گی، لیکن وقفوں اور جذبوں کے قائم مقام علامتوں کے بغیر وہ تحریر اتنی ہی مبہم، بے معنی اور بدہیئت دکھائی دے گی جتنی وہ گفتگو جو

مذکورہ عوامل سے عاری ہے۔ چنانچہ ، گفتگو کو جب ہم تحریر میں لانا چاہیں تو الفاظ کے علاوہ گفتگو کے دوران میں آنے والے وقفوں اور جذبوں کے لیے جو قائم مقام علامتیں متعین کی گئی ہیں جو ہم تحریر میں استعمال کرتے ہیں ، انہیں ''رموزِ اوقاف'' کہا جاتا ہے ـــــــ ''رموز'' جمع ہے ''رمز'' کی۔ جس کے معنی ہیں: علامت یا اشارہ۔ اسی طرح ''اوقاف'' جمع ہے ''وقف'' کی۔ معنی ہیں: ٹھہراؤ۔ یوں ، رموزِ اوقاف کے معنی ہوئے 'ٹھہراؤ کی علامتیں'۔

راقم الحروف نے ابلاغِ معنی کے لیے الفاظ و علامات کے تصویری نقوش کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بعض ماہرین نے دورانِ گفتگو سانس لینے اور بولنے کی سہولت کو رموزِ اوقاف کی بنیاد قرار دیا ہے۔ لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض چھوٹے جملے، جہاں سانس نہیں ٹوٹتا، تب بھی ان کے اختتام پر ٹھہرا جاتا ہے۔ ۱۶۱۷ء میں انگریزی کے معروف ماہرِ لسانیات بن جانسن نے اس سلسلے میں یہ رائے لکھی تھی :-

> "When we pronounce any sentence; For, whereas our breath is by nature so short, that we cannot continue without a stay to speake* long together; it was thought necessarie* as well for the speakers' ease, as for the plainer deliverance of the things spoken, to invent the meanses*, whereby men, pausing a pretty while the whole speech might never the worse be understood." (2)

یہاں بولنے والے کی سہولت اور سانس کو اوّلیت دی گئی ہے ، جب کہ بولنے والے کی اس کوشش کو مقدم رکھنا چاہیے جو وہ اپنی بات کو دوسروں تک موثر انداز میں پہنچانے کے لیے جن عوامل سے کام لیتا ہے ، انھی کی تحریری اشکال کو ''رموزِ اوقاف'' کہا جاتا ہے — 'انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا' میں پنکچوایشن کی وضاحت کرتے ہوئے افہام وتفہیم کی اسی اہمیت کو پیشِ نظر رکھا ہے :-

> "Punctuation is the use of spacing, conventional signs, and certain typographical devices as aids to the understanding and correct reading, both silently and aloud, of hand-written and printed texts." (3)

پروفیسر اے آر انجم نے بجا طور پر لب و لہجے اور وقفوں کو رموزِ اوقاف کی اصل قرار دیا ہے ، انہوں نے یوں وضاحت کی ہے:-

> "Variation in tones, and short and long pauses in speech are indicated by different marks of punctuation in writing. The aim of all these signs is to record truthfully the tones of the speaker." (4)

لب و لہجہ (Tones) یا جذبے کہہ لیجیے ، اور دوسرے وقفے (Pauses) کے اسی باریک نکتے ، کو پیشِ نظر

"You have a point" کے مصنف نے رموزِ اوقاف کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ، وہ لکھتے رکھتے ہوئے ، ہیں:-

"Of all six true stops (full stop, comma, semi-colon, colon, dash, parenthesis), we can pass to the two signs:"?" (sign of interrogation) and "!" (sign of exclamation), which, so far from being stops are mere indication of tone: or as we say, 'marks' — the question mark and exclamation mark."(5)

مصنف کے مطابق پنکچوایشن یا رموزِ اوقاف میں چھ علامتیں تو ٹھہراؤ کی ہوئیں — اور — دو لب و لہجہ، تاثر یا جذبے کی۔ گویا ، گفتگو یا تقریر میں آنے والی کیفیات یا تو مختلف دورانیے کے وقفوں کے قائم مقام ہوتی ہیں یا وہ تاثرات یا جذبوں کے اظہار کے مترادف۔ چنانچہ ہم رموزِ اوقاف کے بارے میں مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ:-

''گفتگو یا تقریر میں آنے والے وقفوں، جذبوں یا تاثرات کو جب ہم تحریر میں لانا چاہیں تو ان کے قائم مقام جو علامتیں استعمال کی جاتی ہیں، انہیں ''رموزِ اوقاف'' کہا جاتا ہے۔''

لیکن، رموزِ اوقاف کی تعریف (definition) میں صرف وقفوں، جذبوں، تاثرات اور لب و لہجے کو بنیاد بنایا جائے تو اس میں عدم یکسانیت اور غیر یقینی پن کا احتمال ہے — قطعیت کے لیے ضروری ہے کہ تعریف میں گریمر کے قواعد کا بھی ذکر کیا جائے — خود، گریمر کے قواعد بھی کسی مخصوص زبان کے بولنے والوں کے کلام و بیان میں آنے والے یکسانیت کی بنیاد پر ہی مرتب و مدوّن کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا، رموزِ اوقاف کی تعریف میں جذبوں اور وقفوں کے ساتھ گریمر کے قواعد کا ذکر بھی ہونا چاہیے۔ لیکن، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ اردو اور انگریزی کی بھی بعض کتبِ قواعد اور لغات میں صرف مؤخر الذکر حصے پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً ''ڈکشنری آف انگلش لینگویج'' میں پنکچوایشن کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

"The art or practice of inserting standardised marks or signs in written matter to classify the meaning and seperate structural unit."(6)

امریکن ہیریٹیج (American Heritage) کی ڈکشنری میں اسی مفہوم کو زیادہ وضاحت سے یوں کہا گیا ہے:-

"The use of standardised marks and signs in writing and printing to seperate words into sentences, clauses, and phrases to classify meaning."(7)

ان تعریفوں میں تحریر میں قواعد کے مطابق جملے کی ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے رموزِ اوقاف کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں عام قاری کے لیے ابہام موجود ہے — علمی دنیا میں کسی چیز کی ''تعریف'' (definition) بنیادی اہمیت رکھتی ہے — جس میں وہ بنیادی خیال بھی موجود ہونا چاہیے جو اس کے وجود میں آنے کا باعث ہوا — اور — وہ ہے: مؤثر معنوی

ابلاغ۔ چنانچہ، مذکورہ بالا تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے رموزِ اوقاف کی جامع تعریف، اس کے تمام تر مقاصد، محرکات اور اطلاقات کی روشنی میں، یہ ہوگی:۔

> کلام و بیان میں ابلاغ کی خوبیاں پیدا کرنے والے مختلف دورانئے کے وقفوں، اور جذبوں کی کیفیات کو، قواعدِ زبان کے مطابق، تحریر میں لایا جائے تو ان کے قائم مقام جو علامتیں استعمال کی جاتی ہیں، انہیں 'رموزِ اوقاف' کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تعریف تمام ممکنہ پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، یعنی: ابلاغی خوبیاں پیدا کرنے والے مقاصد؛ مختلف دورانئے کے وقفے؛ لب و لہجہ، چہرے کے تاثرات، ہاتھوں کی حرکات، سر کی جنبش، چشم و ابرو کے اشارات؛ حیرت، غصہ، نفرت اور محبت وغیرہ کی کیفیات (مجموعی طور پر جسے ''مختلف جذبوں'' کہا گیا ہے)؛ پھر قواعدِ زبان کے مطابق ساختہ جملے اور ان کے مختلف ٹکڑے ـــــ

ـــــ یہ سارے مذکورہ امور، ہمیں واضح طور پر اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ تحریر کو عمدہ تقریر کی طرح خوبصورت اور مؤثر بنانے کے لیے ان وقفوں اور جذبوں سے متعلق علامات کے ساتھ قواعد کو پیشِ نظر رکھا جانا چاہیئے۔

گویا، جو کچھ آپ لکھ رہے ہیں اسے چشمِ تصور میں اپنے آپ کو بولتا ہوا دیکھیں کہ دوسروں کے ذہن میں الفاظ و جذبات کے واضح تصویری نقوش بنانے کے لیے آپ کہاں زیادہ دیر ٹھہرے ہیں؛ کہاں تھوڑا وقفہ دیا ہے؛ کہاں جملہ ختم ہوا ہے؛ کہاں آپ نے سوال کیا ہے؛ کہاں حیرت ہے، غصے یا دیگر جذبوں کا اظہار کہاں کیا ہے ـــــ تو، آپ کو اپنے فہم اور ذوقِ سلیم کے مطابق اندازہ ہوتا جائے گا کہ رموزِ اوقاف میں کون سی علامت کہاں استعمال کی جائے گی ـــــ ہاں، البتہ اس کی صحت کی قطعیت کے لیے گریمر کے قواعد سے رجوع کرنا ہوگا، کیونکہ ماہرینِ لسانیات نے برسہابرس کی محنت سے وہ اصول مدون کیے ہیں جو رموزِ اوقاف کے صحیح اور قطعی استعمال کی بنیاد بنتے ہیں یہ ایسے ہی ہے کہ اپنے ذوقِ سلیم کی بنیاد پر شاعری تو بے شمار لوگ کرتے ہیں، لیکن عروض، جس پر شعر کے باوزن ہونے کا دارومدار ہے، اس کی باریکیوں کا علم کسی کسی کو ہوتا ہے۔ تاہم، شعر کے درست ہونے یا نہ ہونے کے لیے 'علمِ عروض' سے مدد لیے بغیر بات نہیں بنتی ـــــ اسی طرح ـــــ رموزِ اوقاف کی وسیع تر بنیاد پر ترویج کے لیے چشمِ تصور وا کرنے کے ساتھ ساتھ گریمر کے قواعد کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔

باب سوم

اُردو میں رموزِ اوقاف ۔ انگریزی علامتوں ہی کی اتباع کیوں؟

اردو میں رموزِ اوقاف کی ترویج کی تحریک کے آغاز کے وقت دو ہی زبانوں کے نمونے سامنے تھے۔ ایک: عربی میں قرآن مجید کے رموزِ اوقاف ، دوسرے: انگریزی زبان میں مروجہ علامات۔ سرسیّد سے پہلے ''نجوم العلامات'' (۱) میں اُردو میں قرآنی رموزِ اوقاف کے استعمال کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ سرسیّد نے اپنے مضمون (۲) میں اس خیال کو تو سراہا ، لیکن قرآنی رموزِ اوقاف کی بجائے انگریزی علامتوں کے استعمال پر زور دیا۔ اُردو میں قرآنی رموزِ اوقاف سے گریز کا سبب کیا تھا؟ اس کی توجیہہ سے پہلے قرآن کریم کے رموزِ اوقاف کا مختصر اور جامع تذکرہ یہاں کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

قرآن کریم میں رموزِ اوقاف کی تعداد تقریباً پندرہ ہے ، وہ سب کے سب حروف تہجی پر مشتمل ہیں — جو درج ذیل ہیں:-

'' ط ۔	وقف مطلق:	یہاں ٹھہر کر آگے کی عبارت پڑھنی چاہیے۔
ج ۔	وقف جائز:	یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔
ص ۔	وقف مرخص:	یہاں ملا کر پڑھنا چاہیے، لیکن تھک کر ٹھہر جائیں تو ہرج نہیں۔
ق ۔	—	بعض علماء کے نزدیک یہاں ٹھہرنا جائز ہے لیکن نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔
لا ۔	—	یہاں قطعاً نہ ٹھہرا جائے۔
قف ۔	—	یہاں ٹھہر کر آگے پڑھا جاتا ہے۔
سکتہ	—	پڑھنے والا یہاں سانس لیے بغیر ذرا سا ٹھہرے لیکن سانس نہ توڑے۔
وقفہ	—	لمبے سکتے کی علامت ہے۔
صل	—	پڑھنے والا یہاں ٹھہر جاتا ہے، کبھی نہیں ٹھہرتا، مگر ٹھہرنا بہتر ہے۔
صلی	—	یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

(جہاں ایک سے زیادہ علامتیں ہوں تو وہاں اوپر کی علامت کا اعتبار ہوتا ہے — اگر ایک

سے زیادہ علامتیں ایک سیدھ میں ہوں ، تو آخری علامت پر عمل کیا جائے گا۔)

ہ	—	مطلق آیت کی علامت ہے ، جہاں فقط یہی علامت ہو، وہاں ٹھہرا جائے۔ اگر آیت پر ''لا'' ہو، تو نہ ٹھہرنا بہتر ہے اور اگر ٹھہرا جائے تو مضائقہ نہیں۔
م	—	وقف لازم کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا ضروری ہے، ورنہ معنوں میں فرق پڑ جائے گا۔
∴ ∴	—	اگر کوئی عبارت تین تین نقطوں کے درمیان ہو تو پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ پہلے تین نقطوں پر وقف کرے اور دوسرے تین نقطوں پر وصل کرے، (یعنی عبارت کو اگلی عبارت سے ملائے) یا پہلے تین نقطوں پر وصل کرے اور اگلے تین نقطوں پر وقف کرے۔ اس قسم کی عبارت کو 'معانقہ' یا 'مراقبہ' کہتے ہیں۔
لاْ	—	جہاں الف پر یہ علامت (ہ) ہو تو وہاں الف کا تلفظ ادا نہیں کیا جاتا۔ (۳)

اردو میں بوجوہ قرآنی رموزِ اوقاف رواج نہ پا سکے۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی نے اس کی مندرجہ ذیل وجوہات بیان کی ہیں:۔

(۱) ''قرآنی رموزِ اوقات کا استعمال ایک مستقل فن ہے ، جو کئی علوم میں دستگاہ کا متقاضی ہے۔

(۲) قرآنی اوقاف 'الف بائی' علامتوں کی صورت میں لکھے جاتے ہیں: م، ط، ج۔۔۔۔ اگر ان کا استعمال اردو میں کیا جاتا تو ان کے اردو کے حروف کے ساتھ خلط ملط ہونے کا امکان ہے۔

(۳) سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کی تکریم کا بھی تقاضا تھا کہ جو چیز قرآن کے لیے ہے، وہ اسی کے لیے مخصوص رہے۔'' (۴)

قرآنی رموزِ اوقاف کے نہ اختیار کرنے کے اسباب بیان کرتے ہوئے سرسیّد نے انہی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے طباعت کی مشکلات کا بھی ذکر کیا تھا۔ چنانچہ انگریزی علامات کی مذکورہ ذیل خصوصیات کے سبب اردو کے تمام سکالرز نے انہی کو اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے:۔

(۱) انگریزی رموزِ اوقاف (Punctuation) کی اشکال انتہائی مختصر اور سادہ ہیں، لہٰذا استعمال میں آسان ہیں۔

(۲) یہ حروف ابجد سے مختلف ہیں، اسی لیے تحریر میں وہ مختلف اور نمایاں نظر آتی ہیں۔ حروف سے ان کے گڈمڈ ہونے کا احتمال نہیں ہوتا۔

(۳) ان کی مقصدیت اور اس موقع کی معنوی تصویری کیفیت ان میں موجود ہے۔

یہ آخری نکتہ نہایت اہم ہے، لیکن عموماً ماہرین لسانیات کی توجہ اس طرف نہیں گئی — ایک آدھ نے ان میں سے چند علامتوں کی اشکال کی توجیہہ کی ہے تو وہ مختلف انداز سے — مثلاً صرف ایرک پیٹرج نے اپنی کتاب میں ایک جگہ سوالیہ (؟) اور استعجابیہ (!) کی اشکال کی توجیہہ یوں کی ہے:-

"The ? of ? represents, I think a 'q' , short for Latin 'qua ere', in perative to 'quaerere' , to ask , to query ; the 1 of ! , probably a pointer , perhaps a dagger. Belderdijk (Dutch writer — 1756 - 1831) , however , thinks '?' to consist of q and O of L. quastio , a question , the former placed over the latter , with the O subsequently diminishing to a dot ; and ! to consist of the Latin 1o , the 1 being set over the O diminishing to a dot here too." (5)

انگریز اور جرمن ماہرین نے لاطینی حروف کو توڑ مروڑ کر 'سوالیہ' اور 'استعجابیہ' اشکال کی توجیہات کی ہیں — ممکن ہے صحیح ہوں — لیکن ، میرے خیال میں علامتوں کی اشکال جن موقعوں کے لیے وضع کی گئی ہیں، ان موقعوں کی تصویری کیفیتیں ان میں منعکس نظر آتی ہیں — مثلاً حیرت اور استعجاب کے لیے لائن پر ایک چھوٹی سی عمودی لکیر اور اس کے نیچے نقطہ لگایا جاتا ہے ، ایسے:-

" ! "

حیرت اور استعجاب کے وقت ایک آدمی سیدھا کھڑے کا کھڑا رہ جاتا ہے، اس کے پاؤں جم سے جاتے ہیں — یہ ساری کیفیت اس علامت میں سمٹ آئی ہے۔ عمودی لکیر اس کی اس موقع پر جسمانی ساخت کی عکاس ہے اور نیچے نقطہ اس کے جماؤ اور ہل نہ سکنے کی کیفیت لیے ہوئے ہے۔ بعد ازاں، مختلف جذبات کی کیفیات کیلئے یہی علامت مستعمل ہوئی ہے:-

تصویر نمبر ۱

اسی طرح سوالیہ علامت کو لیجئے — ایک شخص جب سوال کرتا ہے تو جواب سننے کے لیے متوجہ ہو کر ذرا سا آگے کی طرف جھک جاتا ہے ، وہ ، سراپا سوال نظر آتا ہے۔ سوالیہ علامت میں اس کیفیت کا بآسانی ادراک کیا جا سکتا ہے:-

تصویر نمبر ۲

دوسری کئی علامتوں میں بھی ان کی مقصدیت کی تصویری کیفیت دیکھی جا سکتی ہے۔ فل سٹاپ کے لیے انگریزی میں نقطہ (.) اور اردو میں خمہ مستطیل شکل کی اینٹ (ـ) یعنی گولے یا اینٹ کی طرح جملے کے آگے مکمل رکاوٹ یا اس کے اختتام کا تصور لیے ہوئے ہے:-

تصویر نمبر ۳

تصویر نمبر ۴

قوسین کو لیجئے — دو طرف نصف دائرے:-

"( )"

گویا، کسی چیز کے دونوں طرف آدھے کھلے ہاتھوں کا تصویری عکس اس میں موجود ہے:-

تصویر نمبر ۵

جملۂ معترضہ کے لیے اس سے بہتر تصویر کشی کیا ہو سکتی ہے۔

اسی طرح واوین (" ") میں کسی لفظ، جملہ یا عبارت کو مختلف مقاصد کی خاطر علیحدہ سے خصوصی اہمیت دینے یا خاص توجہ کے مطلوب ہونے کا تاثر موجود ہے —— سکتہ (،) گول رکاوٹ کے ساتھ اوپر مڑا ہوا (اردو میں نیچے مڑا ہوا) نوکیلا نشان ذرا سا رک کر آگے بڑھ کر جانے کی اجازت دے رہا ہے — وقفہ (؛) میں سکتے کے نیچے نقطہ کچھ زیادہ دیر ٹھہرنے کا تاثر دے رہا ہے —

اوپر نیچے دو نقطے (:) انگریزی میں 'کولن' (colon) اور جسے اردو میں 'رابطہ' کا نام دیا گیا ہے، دو طرفہ متوازن جملوں کا عکاس ہے — اور — اردو میں تفصیلیہ یا انگریزی میں 'کولن اینڈ ڈیش' (colon and dash) جس کی علامت انگریزی میں :(-:) اور اردو میں خط کا رخ، تحریر کے رخ کے سبب، بائیں طرف ہے:(:-) اس علامت

میں واضح طور پر مٹھی بند کر کے ایک انگلی سے اشارے کی تصویری کیفیت دیکھی جا سکتی ہے:-

تصویر نمبر ٦

خود انگریزی زبان میں، بقول ایرک پیٹرج، سولھویں صدی عیسوی تک علامت وقف کا استعمال صرف ' پیرئڈ ' یعنی فل سٹاپ(full stop) تک محدود تھا۔ (٦) بعد میں، تحریر میں تقریر اور عمدہ گفتگو کی سی ابلاغی خوبیاں پیدا کرنے کے لیے لکھنے والوں کی تصوراتی اختراعات؛ علامات کی مقصدیت سے قریبی مشابہت کے پیش نظر؛ نیز عام طور سے قبول کیے جانے پر ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے قواعد زبان کا جزو بنتی گئی ہوں گی۔ بہر حال، وجہ جو بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ اس وقت صرف انگریزی علاماتِ وقف ہی اپنی مذکورہ خوبیوں کے سبب دنیا بھر میں استعمال ہو رہی ہیں — اور — اردو میں بھی انہی کو اختیار کرنے کی کاوشیں کی جاتی رہی ہیں۔

باب چہارم

انگریزی میں رموزِ اوقاف کی تعداد
اور
اُردو میں ان کے اختیار کرنے کا مسئلہ

یہ بات زیر بحث رہی ہے کہ کیا انگریزی میں استعمال ہونے والے سارے رموزِ اوقاف جوں کے توں قبول کر لیے جائیں یا ان میں کچھ کا انتخاب کیا جائے؟ انگریزی میں جو رموزِ اوقاف یا علامتیں عام طور پر مستعمل ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

(1) Full stop,
(2) Comma,
(3) Semi Colon,
(4) Colon,
(5) Colon and dash,
(6) Brackets,
(7) Dash,
(8) Sign of interrogation,
(9) Sign of exclamation,
(10) Inverted commas,
(11) Hyphon.

سرسیّد نے مذکورہ بالا علامات میں نو [۹] علامتوں کے استعمال کی تجویز دی تھی۔ کولن اینڈ ڈیش اور ڈیش کی علامتیں اس میں نہیں ہیں۔ البتہ، تین علامتیں اور بھی تجویز کی تھیں: ایک انڈر لائن (علامت توجہ)، سٹار (نجم) اور تیسرے علامت حاشیہ۔(۱)

۱۹۲۳ء میں پروفیسر نعیم الرحمٰن نے انگریزی کی مذکورہ بالا تمام علامتوں کو استعمال میں لانے کا مشورہ دیا، لیکن ان میں سرسیّد کی مجوزہ علامات: اندر لائن اور سٹار کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ، ڈاٹس آف اومیشن (Dots of omission)

اسی سال سات ادبی شخصیتوں پر مشتمل کمیٹی نے ہائفن ، ڈیش اور کالن اینڈ ڈیش کو چھوڑ کر باقی آٹھ علامتوں کے استعمال کی تجویز دی (۲)۔ انہوں نے (Dots of omission) کو بھی شامل کیا اور یوں، کل نو علامات تجویز کیں۔

مولوی عبدالحق نے ان تمام گیارہ علامات کے استعمال کو شامل کیا جن کا شروع میں ذکر آیا ہے، انہوں نے نو علامات کے علاوہ ڈیش اور ہائفن کو بھی شامل کیا۔

۱۹۷۳ء کی ترقی اُردو بورڈ بھارت کی متعینہ کمیٹی نے مولوی عبدالحق کے تجویز کردہ رموزِ اوقاف کے استعمال کی سفارش کی۔ البتہ، کمیٹی نے کولن اینڈ ڈیش کو شامل نہیں کیا تھا۔ ہاں، بریکٹس (Brackets) میں بڑے، منجھلے (درمیانہ)، اور چھوٹے کی مزید تقسیم کی۔ انہوں نے اندر لائن کو علامتوں میں شامل کیا۔

مولوی عبدالحق کی تجویز کردہ گیارہ علامتوں میں سے رشید حسن خاں نے ڈیش، کولن اینڈ ڈیش اور ہائفن کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے باقی آٹھ علامتوں کی ترویج پر زور دیا۔ (۳)

رشید حسن خاں کی مذکورہ رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اسلام آباد کے منعقدہ سیمینارز میں محمد احسن خاں نے اپنے مقالے میں تحریر کیا:-

> ''میں رشید حسن خاں کی اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ خط، تفصیلیہ اور زنجیرہ کی علامت غیر ضروری ہیں۔ میرے نزدیک مولوی صاحب کی تجویز کردہ سب ہی علامتیں ضروری ہیں ، بلکہ کچھ اور بھی۔'' (۴)

محمد احسن خاں نے سترہ (۱۷) رموزِ اوقاف کی نشاندہی کی جو انگریزی میں رائج ہیں ، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(1) Apostrophe,
(2) Brackets (Large),
(3) Brackets (small),

(4) Colon،
(5) Colon and dash،
(6) Comma،
(7) Dash،
(8) Dots of ellipsis،
(9) Full stop،
(10) Hyphen،
(11) Inverted commas (double)،
(12) Inverted commas (single)،
(13) Note of exclamation،
(14) Note of interrogation،
(15) Semi colon،
(16) Oblique،
(17) Underline. (5)

ڈاکٹر غلام حسین نے مندرجہ ذیل بارہ علامتوں کو بنیادی قرار دیا:-

(1) Comma,
(2) Full stop,
(3) Colon,
(4) Sign of interrogation,
(5) Sign of exclamation,
(6) Inverted commas,
(7) Brackets,
(8) Dots of ellipsis,
(9) Colon and dash,
(10) Hyphen,
(11) Line،
(12) Underline

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل علامتوں کو اضافی علامتوں کے طور پر قبول کر لینے کا (خصوصی ضرورت کے تحت) مشورہ دیا:-

(1) Semi Colon,
(2) Brackets (large),
(3) Oblique. (6)

پنڈت برج موہن دتا تریہ نے مولوی عبدالحق کی مجوزہ چار علامات یعنی: کولن ، سیمی کولن ، ڈیش اور ہائفن کو اردو میں غیر ضروری کہا ہے۔(۷)

ڈاکٹر صدیق شبلی کا کہنا ہے کہ انگریزی اور فارسی جملوں کے طویل ہونے کے برعکس اردو جملے مختصر اور اکہرے بدن کے ہوتے ہیں — ان میں زیادہ دم خم نہیں ہوتا --- دو سطروں سے آگے بڑھیں تو ان کا دم پھول جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خیال میں اردو میں رموزِ اوقاف کے استعمال کا زیادہ احساس نہیں ملتا۔ تاہم ، مستقبل کے اخباری ، دفتری اور قانونی اور علمی ضرورت کے پیشِ نظر انہوں نے انگریزی رموزِ اوقاف کے استعمال کی تائید کی ہے۔(۸)

جہاں تک میرا خیال ہے کہ محمد احسن خاں کے تجویز کردہ سترہ رموزِ اوقاف میں سے Apostrophe کے لیے چونکہ اُردو میں اضافت کی زیر اور حرف ''کا ، کے ، کی'' اس کی جگہ استعمال کیے جاتے ہیں، تو ،باقی سولہ علامتیں اور مزید کچھ وہ علامتیں جو خاص اردو سے مخصوص ہیں ، شامل کر کے اردو میں ان کے استعمال کے مواقع کی تفصیلات طے ہونی چاہیں۔

اس کے علاوہ ترقی اُردو بورڈ، کراچی کی مطبوعہ ''اردو لغت'' (جلد اوّل۔ الف مقصورہ) میں اردو کے چند رموزِ اوقاف کی نشاندہی ہے، ان میں ہم نے سب کو بالتفصیل شامل کیا ہے، البتہ لغت کے نقطۂ نظر سے دو علامتیں قابلِ توجہ ہیں، اور وہ ہیں: (۱) علامت تسویہ، انگریزی میں جس کا مترادف 'Equal to' ہے۔(۲) علامت تجزیہ، انگریزی میں اسے plus (+) سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی لفظ کے تجزیے کے لیے اہم ہیں۔ لہٰذا یہ علامتیں بھی ہم نے شامل کی ہیں۔(۹)

یہ درست ہے کہ ماہرین قواعد نے صرف نمائش کے لیے یا بلاوجہ ، جا و بے جا ، رموزِ اوقاف کے کثرتِ استعمال کو معیوب کہا ہے — لیکن — علامتوں کا استعمال درست ہو، اور اس کے استعمال سے عبارت خوش نما اور واضح نظر آئے تو علامتوں کا خوب استعمال معیوب نہیں۔ قوانین تو پورے بنائے جاتے ہیں ، ان میں چند ہی کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ باقی ، حسب ضرورت اور موقع ہو تو اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ یہ تو ذوقِ لطیف اور استعمال کے عمدہ شعور پر منحصر ہے کہ عبارت رموزِ اوقاف سے بھدی نظر نہ آئے۔ اس کی مثال یوں لیجیے کہ میک اپ کا سامان تو پورا ہونا چاہیے ، یہ تو استعمال کرنے والے کا قصور ہے کہ سرخی پاؤڈر کو لیپ پوت کر اپنے آپ کو بھوت بنا لے۔ لیکن اسی سامان کو اگر سلیقے ، ذوقِ سلیم اور حسن کے لطیف احساس کے مطابق استعمال کیا جائے تو فطری حسن ایسی خوبصورتی سے نکھرتا ہے کہ دیکھنے والے کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ سرخی پاؤڈر کا استعمال بھی کیا گیا ہے—— یہی حال، رموزِ اوقاف کا ہے کہ ان کا استعمال تو عبارت کو روشن ، پر معنی ، خوبصورت اور نظر افروز بنانے کے لیے کیا جاتا ہے—— اور ، اردو زبان کو علمی ، قانونی ، تدریسی ، تحقیقی اور دیگر ضرورتوں کے مطابق بنانا ہے تو رموزِ اوقاف کے تمام تر پہلوؤں کا احاطہ کرنا ہوگا۔

باب پنجم

انگریزی علامتوں
کے
اُردو نام

جہاں تک انگریزی علامتوں کے اردو مترادف ناموں کا مسئلہ ہے ، اس پر سرسید سے لے کر آج تک مختلف اسکالرز نے ، کمیٹیوں نے ، مختلف اجلاس میں انگریزی علاماتِ اوقاف کے اردو نام تجویز کیے لیکن اردو میں ان علامتوں کے استعمال کا چلن اتنا عام نہیں ، لہٰذا ان کے اردو ناموں کے سلسلے میں بھی لوگوں کے لیے اجنبیت بڑی حد تک ابھی موجود ہے۔

اردو میں سب سے پہلے سرسید نے اپنے مضمون میں انگریزی کی جن علامتوں کے اردو نام تجویز کیے وہ حسب ذیل ہیں:-

فل سٹاپ	کے لیے	وقفہ کامل
کاما	ـــــ	سکتہ
سیمی کولن	ـــــ	سکون
کولن	ـــــ	وقفہ
ڈیش	ـــــ	خط/لکیر
انورٹڈ کاماز	ـــــ	علامتِ اقتباس
بریکٹ	ـــــ	علامتِ معترفہ
ہائفن	ـــــ	علامتِ ترکیب
نوٹ آف انٹیروگیشن	ـــــ	علامتِ سوال
نوٹ آف ایکسکلیمیشن	ـــــ	علامتِ تعجب
انڈرلائن	ـــــ	علامتِ توجہ
سٹار	ـــــ	نجم (۱)

۱۹۲۳ء کی کمیٹی نے انگریزی سے ماخوذ علامتوں کے اردو نام یہ تجویز کیے:-

فل سٹاپ	——	وقفہ
کاما	——	سکتہ
سیمی کولن	——	رابطہ
کولن	——	نیم وقفہ
انورٹڈ کاماز	——	واوین
بریکٹ	——	قوسین
ڈاٹس آف ایلیپسز	——	نقطے
نوٹ آف انٹیروگیشن	——	سوالیہ
نوٹ آف ایکسکلیمیشن	——	ندائیہ (۲)

نعیم الرحمٰن نے جن انگریزی علامتوں کے اردو نام تجویز کیے وہ حسب ذیل ہیں، انہوں نے فارسی ناموں کی نشاندہی بھی کی:-

انگریزی نام		اُردو نام	فارسی نام
فل سٹاپ	——	نقطہ/ قاطعہ	نقطہ
کاما	——	سکتہ/ فاصلہ	قامہ
سیمی کولن	——	معززہ	معززہ
کولن	——	دونقطہ	شارحہ
ڈیش	——	ڈیش	فارقہ
انورٹڈ کاماز	——	قاماتِ معکوسہ	ممیزہ
بریکٹ بڑا	——	تعزیلقیہ	تعزیلقیہ
بریکٹ چھوٹا	——	معترضہ	معترضہ
ڈاٹ آف ایلیپسز	——	تقدیریہ	نقاط

ہائفن	——	رابطہ	رابطہ
نوٹ آف انٹیروگیشن	——	سوالیہ	استعجابیہ
نوٹ آف ایکسکلیمیشن	——	ندائیہ	تعجب (۳)

مولوی عبدالحق نے انگریزی سے ماخوذ گیارہ علامتوں کے اردو نام یہ تجویز کیے:-

فل سٹاپ	——	ختمہ
کاما	——	سکتہ
سیمی کولن	——	وقفہ
کولن	——	رابطہ
کولن اور ڈیش	——	تفصیلیہ
ڈیش	——	خط
انورٹڈ کاماز	——	واوین
بریکٹ	——	قوسین
ہائفن	——	زنجیرہ
نوٹ آف انٹیروگیشن	——	سوالیہ
نوٹ آف ایکسکلیمیشن	——	فجائیہ / ندائیہ (۴)

اس کے بعد ترقی اردو بورڈ بھارت نے مولوی عبدالحق کے اردو ناموں کی تائید و توثیق کی —— البتہ ، مذکورہ ذیل چند علامتوں کا اضافہ کرتے ہوئے قوسین کو بڑے ، چھوٹے اور مجھلے میں منقسم کیا ، اور ' انڈر لائن ' کے لیے ' خط زیریں ' کا اردو مترادف نام تجویز کیا۔

۱۹۸۵ء کے منعقدہ سیمینارز میں محمد احسن خاں نے انگریزی سے ماخوذ علامتوں کے حسب ذیل نام تجویز کیے:-

Apostrophe	——	کوئی نام نہیں لکھا
فل سٹاپ	——	ختمہ / وقف کامل
کاما	——	سکتہ / وقفِ خفیف

(پہلی مرتبہ ' سکتہ ' کے لیے وقفِ خفیف کا متبادل نام تجویز کیا)

سیمی کولن	—	وقفہ
کولن	—	نیم وقفہ
کولن اینڈ ڈیش	—	تفصیلیہ
ڈیش	—	خط / لکیر / فارقہ / ڈیش
انورٹڈ کاماز (ڈبل)	—	واوین دہرے
انورٹڈ کاماز (سنگل)	—	واوین اکہرے
بریکٹ (بڑا)	—	قلابین / عکفین / تعزیقیہ
بریکٹ (چھوٹا)	—	خطوط مستطیل
ڈاٹس آف ایلیپسز	—	نقطے / نقاط الفراجہ
ہائفن	—	زنجیرہ
نوٹ آف انٹیروگیشن	—	سوالیہ
نوٹ آف ایکسکلیمیشن	—	ندائیہ / فجائیہ / تعجبیہ
آبلیک	—	آڑھی لکیر
انڈر لائن	—	خط زیریں (۵)

مذکورہ بالا تفصیل سے اندازہ ہو رہا ہے کہ علامات وقف کے اردو ناموں کے لیے کس قدر کاوشیں کی گئی ہیں۔ ان میں ایک بات تو طے ہے کہ مولوی عبدالحق کی گیارہ علامتوں میں سے نو علامتوں کے اردو ناموں پر تو اتفاقِ رائے نظر آتا ہے، لہٰذا وہ تو جوں کے توں اس مقالے میں استعمال کیے جائیں گے۔ ویسے بھی اس موضوع کے انٹرمیڈیٹ میں شامل ہونے کے سبب، طلباء کے ایک طبقے کے کان مولوی صاحب کے ان ناموں سے کسی حد تک مانوس ہوئے ہیں — تاہم، مولوی عبدالحق کے مجوزہ ناموں کے علاوہ جو دیگر علامات ہم زیر بحث لا رہے ہیں، ان کے ناموں پر غور کیا جا سکتا ہے۔

مولوی عبدالحق کے مجوزہ ناموں: ختمہ، سکتہ، وقفہ، رابطہ، تفصیلیہ، خط، واوین، قوسین، سوالیہ پر تو اتفاق ہے — نوٹ آف ایکسکلیمیشن کے لیے انہوں نے فجائیہ یا ندائیہ تجویز کیا ہے — یعنی ایک نام نہیں ہے۔ دو میں سے کسی ایک کو لے سکتے ہیں۔ فجاء کے لغوی معنی اچانک، ناگاہ وغیرہ کے ہیں — ندا، خطاب کے معنوں میں ہے۔ یہ علامت خطاب کے لیے بھی ہے اور اظہار جذبات کے لیے بھی — مذکورہ ناموں میں کوئی ایک نام لیں تو دوسرا پہلو دب جاتا ہے — تاہم اس علامت میں چونکہ جذبات کا پہلو غالب ہے تو فجائیہ مناسب ہے۔ سر سید نے ”علامتِ تعجب

''لکھا ہے۔ نعیم الرحمٰن نے ندائیہ کے ساتھ ''تعجبیہ'' بھی لکھا ہے۔ میرے خیال میں اس کے لیے ''استعجابیہ'' مناسب رہے گا۔ یا ''ندائیہ'' اور ''فجائیہ'' دونوں استعمال ہوں۔ دوسری علامت ہائفن کے لیے مولوی صاحب نے ''زنجیرہ'' لکھا ہے۔ زنجیرہ سے کسی لہریے دار چیز کا تصور ابھرتا ہے، اس کے لیے زنجیرہ سے زیادہ'' ترکیبیہ'' زیادہ مناسب ہے لیکن یہ علامت اردو الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اردو تراکیب کے لیے اس علامت کے استعمال کی بہت کوششیں کی گئیں لیکن اردو کی ساخت نے اسے قبول نہیں کیا۔ لہٰذا نہ یہ علامت ہم لیں گے نہ اس کے نام کی ضرورت پڑے گی۔

انورٹڈ کاماز (ڈبل) کے لیے ''واوین دہرے''، سنگل کے لیے ''واوین اکہرے''، آبلیک کے لیے آڑھی لکیر کی بجائے'' ترچھا خط ''مناسب ہے۔ محمد احسن خان نے'' آڑھی لکیر ''لکھا تھا — قوسین بڑے، چھوٹے لیکن آخری منجھلے کی بجائے درمیانہ کہنا مناسب رہے گا۔ ڈاٹس آف ایلپسز کے لیے'' نقاطِ حذف ''کا نام صحیح رہے گا۔ لیکن اردو میں نقطوں کی بجائے ختموں کا استعمال ہوتا ہے تو اسے علامت حذف، پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔

Apostrophe کی جگہ اردو میں'' زیرِ اضافت'' کی ترکیب مناسب رہے گی۔ چنانچہ اب ان تمام انگریزی ناموں کے ساتھ اردو کے وہ نام درج کیے جاتے ہیں جو اس کتاب میں مستعمل ہوں گے:-

Full stop	=	ختمہ
Comma	=	سکتہ
Semi colon	=	وقفہ
Colon	=	رابطہ
Colon and dash	=	تفصیلیہ
Inverted commas (Double)	=	واوین دہرے
Invertted commas (Single)	=	واوین اکہرے
Sign of Interrogation	=	سوالیہ
Sign of exclamation	=	استعجابیہ (ندائیہ/فجائیہ بھی)
Brackets (large)	=	قوسین بڑے
Brackets (medium)	=	قوسین درمیانے
Brackets (small)	=	قوسین چھوٹے
Dash	=	خط
Dots of omminion	=	علامتِ حذف
Oblique	=	ترچھا خط

Underline	=	خطِ زیریں
Apostrophe	=	زیرِ اضافت
equal to	=	علامت تسویہ
Plus	=	علامت تجزیہ

ان کے علاوہ اردو میں مستعمل یہ علامتیں:-

علامت شعر	=	؎
علامت مصرع	=	ع
علامتِ تخلص	=	ؔ

علامتوں کی اشکال

اب ہم ان علامتوں کے نشان ان کے لائن پر پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے دیتے ہیں:-

علامت کا نام	وضاحت	نشان
ختمہ	لائن کے عین اوپر لیٹوا ں، عام فونٹ میں، بقدر دو یا تین سم خط۔	ـ
سکتہ	لائن کے اوپر گول نقطہ بنا کر اوپر دائیں طرف مڑا نوکیلا خط۔	،
وقفہ	سکتے کا نشان بنا کر نیچے ایک نقطہ۔	؛
رابطہ	لائن کے اوپر ایک گول نقطہ اور اس سے تین سم کے بقدر اوپر ایک اور نقطہ۔	:
تفصیلیہ	رابطہ کے دو نقطوں کے درمیان جو قدرے لائن سے اوپر ہو جائے گا بقدر ۴ سم کا خط۔	:-
واوین (دہرے)	لائن سے اوپر ایک حرف کی اونچائی کے بقدر پہلے لفظ سے دو سم پہلے دائیں طرف دو سیدھی واؤ یا انگریزی کے رخ کے دو سکتے، اسی طرح بائیں آخری لفظ سے تقریباً دو سم کے فاصلے دو اردو کے رخ کے سکتے۔	"......"
واوین (اکہرے)	واوین (دہرے) کی طرح اس اکہرے میں دائیں طرف ایک سیدھی واؤ، بائیں طرف ایک الٹی واؤ۔	'......'

سوالیہ	لائن سے ایک حرف کے بقدر اوپر ایک نقطہ بنا کر انگریزی کے حرف C کی طرح ، لیکن اس کنڈے کی گولائی لائن سے دو سم اوپر ہو تو ایک عمودی لائن اس طرح کھینچیں کہ اس کا آخری سرا لائن کے اوپر ٹک جائے ، پھر اس کے نیچے نقطہ لگا دیجیے۔ یاد رہے کہ عمودی خط اور اوپر کے حصے کی گولائی کے انقطاع پر نوکیلا پن نہ ہو بلکہ ہلکی سی گولائی۔	؟
استعجابیہ	عام فونٹ میں بقدر تین سم کے ایک عمودی خط — اور — نیچے نقطہ۔	!
قوسین (بڑے)	الفاظ یا کوئی اور وضاحت ہو تو ان کے دونوں طرف لائن سے ذرا اوپر چار سم کے خط، جن کے اوپر نیچے کے سرے قدرے ایک سم اوپر اور نیچے افقی لکیر کی طرح ہوں۔	[ ]
قوسین (درمیانے)	اس میں قوسین بڑے کی طرح عمودی خط تو ہو لیکن عین دونوں کے درمیان کمر میں باہر کی طرف چھوٹی سے تکون نکلی ہوئی ہو۔	{ }
قوسین (چھوٹے)	قوسین بڑے کے برعکس اس میں خط کی بجائے الفاظ یا وضاحت کے دونوں اطراف پر نصف دائرے۔ دائرے کے ابتدائی سرے لائن سے اتنے اوپر سے شروع ہوں کہ اس کا آخری سرا لائن پر ٹکا ہوا نظر آئے۔	( )
خط	دو لفظوں یا جملوں کے درمیان بقدر چھ سم کی لمبائی کا خط، لائن کے عین اوپر افقی یا لیٹواں۔	—
علامت حذف	انگریزی میں فل سٹاپ کے لیے نقطہ ہوتا ہے لیکن اردو میں اس کے لیے چونکہ بقدر دو سم کے لیٹواں خط مختلف تعداد میں لگایا جاتا ہے۔ یہاں نقطے کی جگہ خط ہوں گے۔	------
ترچھا خط	چھ سم کے بقدر ترچھا خط لائن کے آر پار، جس کا اندرونی زاویہ 75° ہو۔	/

خطِ زیریں	نمایاں کرنے کے لیے اور جن الفاظ کو قابلِ توجہ بنانا ہو تو ان کے نیچے اتنے فاصلے پر یہ افقی یا لیٹواں خط اس طرح ڈالا جائے کہ حروف کے دائرے اور نقطے جو لائن کے نیچے آئے ہوئے ہوں وہ کٹنے نہیں چاہئیں۔	•• ــــــــ
علامتِ تسویہ	مساوی کے اظہار کی علامت ہے۔ تین سم کے بقدر لائنیں ایک دوسرے کے اوپر۔	=
علامتِ تجزیہ	جمع کی علامت کی طرح۔ دو عمودی خط ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے۔	+
علامتِ شعر	اردو کے ''ب'' کی طرح جس کی کمر کا درمیانی کچھ حصہ لائن سے چھوڑ رہا ہو اور پھر آخری سرے کو اس طرح اندرونی طرف نصف گولائی سے کھینچتے ہوئے ''ب'' کے پیٹ کے درمیانی حصے سے مس کریں کہ یہ حصہ ہرن کی آنکھ سے مشابہ نظر آئے۔	؎
علامتِ مصرع	اردو کے حرف ''ع'' کی شکل جس کا آخری سرا ''عین'' کے اندر پیٹ کو کراس کرتا ہو تھوڑا سا آگے نکل جائے۔ مصرعے میں ع کی آواز غالب ہے تو شاید یہی نشان اس کی علامت کے لیے موزوں ہوگیا۔	ع
علامتِ تخلص	اس علامت کی شکل کچھ اس طرح کی ہے جیسے اردو کے حرف ''ب'' کو دو مرتبہ ملا کر لکھا جائے، یوں: بب۔ دونوں نقطے ہٹا کر دوسری ''ب'' کے درمیانی کمر کو ہلکا سا نیچے کی طرف اور جھول دے دیا جائے اور دوسری ''ب'' کے آخری سرے کو اوپر موڑنے کی بجائے سیدھا لے جا کر نوکیلا کر دیا جائے — اسے تخلص کے اوپر اس طرح لگایا جاتا ہے کہ اس کی لمبائی تخلص کی لمبائی کے برابر آ جائے۔	ؔ

اہم نکتہ: کتابت کے درمیان علامتوں کے لیے فاصلے کا اہتمام:-

کمپوزرز اور کاتب صاحبان چونکہ رموزِ اوقاف کی علامتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، وہ بسا اوقات دو لفظوں کے درمیان علامت کا نشان ڈالتے وقت کسی قسم کا کوئی فاصلہ نہیں رکھتے۔ اور یوں علامت کا واضح تصور نہیں ابھرتا، وہ

علامت دونوں حروف کے درمیان بھنچ کر (انگریزی میں سینڈوچ ہوکر، کہہ لیجئے) رہ جاتی ہے۔ضروری ہے کہ علامت کے دونوں طرف ایک ایک حرف کے بقدر فاصلہ چھوڑا جائے۔ یہ علامتیں تحریر کا ایک ضروری جزو ہیں، انہیں تحریر میں الگ سے واضح نظر آنا چاہیے۔

املا سے متعلق ایک اہم نکتہ:۔

یہاں میں اردو املا سے متعلق ایک ایسے نقص کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف طلباء، محققین، ہمارے کاتب اور کمپوزر صاحبان بالکل توجہ نہیں کرتے اور وہ یہ ہے کہ علامات کی طرح الفاظ یا حروف کے درمیان مناسب فاصلے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ الفاظ اور حروف ایک دوسرے پر بے طرح چڑھے نظر آتے ہیں — جو لفظ علیحدہ لکھا جانا چاہیے، اس کو پہلے لفظ سے ملا کر ہی لکھتے ہیں کہ وہ نیا لفظ عجوبۂ روزگار نظر آتا ہے۔ مثلاً ایک کتاب میں یہ چند الفاظ یوں لکھے تھے:۔

جونہر ورپورٹ۔

پڑھنے والا بچہ اسے یوں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا:۔

—— ''جوَنْ ہَر وَر پورٹ'' ——

حروف کے نامناسب فاصلوں سے یہ ابہام پیدا ہوا، ورنہ یہ الفاظ یوں تھے:۔

''جو نہرو رپورٹ ۔۔۔۔''

اسی طرح ایک کمپوزر نے حروف کو آگے پیچھے کر کے جملہ یوں بنا دیا:۔

'' جودو دو سرے لوگ وہاں موجود تھے۔''

ابتدائی حصے میں ابہام نہ ہوتا، اگر کاتب مناسب فاصلوں کے ساتھ جملہ یوں لکھتا:۔

''جو دو دوسرے لوگ وہاں موجود تھے۔''

غور کیجئے، الفاظ اور حروف کے درمیان فاصلہ نہ دینے یا نامناسب فاصلے دینے سے الفاظ و حروف کیسے بے معنی ہو جاتے ہیں؟

ایک اور مثال دیکھئے ، لکھا ہے:۔

اردواوراردونامہ دوالگ الگ رسالے ہیں۔

پہلے چند لفظوں کو ملا کر یہ مبہم لفظ بھی بن سکتا ہے: اُرَد وا وَرَاڈُو —— چنانچہ اسے یوں لکھا جانا چاہیے:۔

''اُردو'' اور ''اردونامہ'' دو الگ الگ رسالے ہیں۔

رسائل و جرائد کے نام واوین میں لکھے جاتے ہیں۔

خیال رہے کہ جو الفاظ حرف'' ا '' سے شروع ہوتے ہیں، انہیں بھی خاص توجہ سے لکھنا چاہیے —— مثلاً اوپر کے جملے میں دو الفاظ یوں لکھے ہیں:-

—— '' دوالگ '' ——

ان الفاظ کو ''دوا '' ''لگ'' بھی پڑھا جاسکتا ہے —— اسی لیے جو حروف'' ا '' پر ختم ہو رہے ہوں یا اسی حرف سے شروع ہو رہے ہوں، تو اس سے ماقبل لفظ سے '' ا '' سے شروع ہونے والے لفظ کا فاصلہ اتنا ہو کہ حرف '' ا '' اپنے اصل لفظ کا جز و نظر آئے چنانچہ مذکورہ بالا دو الفاظ یوں لکھنے چاہیں:-

''دو الگ''

باب ہفتم

رموزِ اوقاف کے استعمال کی اہمیت وافادیت

اس سے قبل کہ تمام رموزِ اوقاف کے استعمال کے مواقع پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے یہ بات بھی ذہنوں میں واضح ہونی چاہیے کہ کسی بھی زبان کی ترقی کے لیے اس میں رموزِ اوقاف کے استعمال کی ترویج کیوں انتہائی ضروری ہے؟

مولوی عبدالحق نے ''قواعدِ اردو'' میں ان علامتوں کے استعمال کے تین فائدوں کی نشاندہی کی ہے:-

(۱) تحریر ، دیکھنے میں پرکشش اور خوبصورت نظر آتی ہے۔

(۲) پڑھتے وقت نظر کو سکون ملتا ہے ، وہ تھکنے نہیں پاتی۔

(۳) عبارت کے معنوں کے تعین میں مدد ملتی ہے۔

جہاں تک تحریر کے پرکشش اور خوبصورت نظر آنے کا تعلق ہے ، اردو کی ایک قدیم کتاب کی چند سطور کا عکس دیکھیے:-

بعض شعرا کی تعریف بہت کی ہے خصوصًا اپنے اُستاد مومن خان مومن کی تعریف اور نقل اشعار مین بہت سا
تذکرے کا صرف کیا ہے اور بعض شعرا کو مفت عیب لگایا ہے چنانچہ میاں یحییٰ امان عرف قلندر بخش جرأت
کی نسبت بہت کچھ موتی اُگلے ہین لکھتے ہین کہ یہ شخص اصول و قوانین شاعری سے بہرہ نہ رکھتا تھا نغمات خارج
از آہنگ گاتا تھا از راہ اُسکی ناموری کا باعث یہ ہوا کہ اشعار موافق طبائع اوباش والواط کے کہتا تھا ہم کہتے ہین
کہ جرأت بڑا خوش فکر تھا اُسکی نازک خیالی سب پر ظاہر ہے سخنور خوش مذاق شعر عاشقانہ کہنے مین طاق تھا عاشق
و معشوق کے راز و نیاز اور حُسن و عشق کے معاملون کو جس خوبی اور چوچلے بین سے اُسنے برتا ہے وہ اُسی کا حصہ ہے
جرأت سا شاعر معاملہ بند کم گذرا ہے اور اس امر سے ہر شخص کو اقرار ہے چنانچہ نواب مصطفےٰ خان نے اس مضمون کو
یون ادا کیا ہے "جو مضامین درمیان عاشق و معشوق کے گذرتے ہین اکثر موزون کرتا تھا طبیعت ذکی رکھتا تھا
اور اپنے اُستاد حسرت کا فخر تھا انتہےٰ" یہ بھی عجب بات ہے کہ جرأت کے کلام مین رطب و یابس بہت نہین ہے

بغیر رموزِ اوقاف عبارت غیر دلکش اور بھدی نظر آ رہی ہے ، اسی عبارت کو رموزِ اوقاف کے استعمال کے بعد دیکھیے:-

بعض شعرا کی تعریف بہت کی ہے۔ خصوصاً ، مومن خاں مومنؔ کی تعریف اور نقلِ اشعار میں بہت سا حصہ صرف کیا ہے اور بعض شعرا کو مفت کا عیب لگایا ہے۔ چنانچہ ، میاں یحییٰ امان عرف قلندر

بخش جرأت کی نسبت بہت کچھ " موتی " اُگلے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

"یہ شخص اصول وقوانین شاعری سے بہرہ نہ رکھتا تھا۔ نغمات، خارج از آہنگ گاتا تھا — اور — اس کی ناموری کا باعث یہ ہوا کہ اشعار ، موافق طبائع اوباش والواط کے کہتا تھا۔ "

ہم کہتے ہیں: جرأت بڑا خوش فکر تھا ، اس کی نازک خیالی سب پر ظاہر ہے۔ سخن ور خوش مزاج ، شعر عاشقانہ کہنے میں طاق تھا۔ عاشق ومعشوق کے راز ونیاز اور حسن وعشق کے معاملوں کو جس شوخی اور چونچلے پن سے برتا ہے ، وہ اسی کا حصہ ہے۔ جرأت سا شاعر کم گزرا ہے اور اس امر سے ہر شخص کو اقرار ہے — نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے :-

"جو مضامین ، درمیان عاشق ومعشوق کے گزرتے ہیں ، اکثر موزوں کرتا تھا ۔ طبیعت ذکی رکھتا تھا۔ اپنے استاد حسرت کا فخر تھا۔"

دیکھیے ، رموزِ اوقاف کے بعد عبارت کیسی روشن ، پرکشش اور خوبصورت نظر آ رہی ہے۔ اس کے برعکس کتاب کی عبارت میں نظر معنوں کی تلاش میں ، لفظوں کے بے ہنگم ڈھیر میں ، تھک جاتی ہے — مطلب کے گم ہونے میں ایک بے چینی اور بے سکونی کا احساس ہوتا ہے۔

یہ مثال تو ایک کتاب سے ہے ، جسے کسی کاتب نے خوش خط لکھا ہے — ذرا ، اکثر طلباء کے ان پرچوں کو دیکھیے ، خواہ وہ ابتدائی جماعتوں کے ہوں یا اعلیٰ درجوں کے ، بد خطی کے ساتھ ، رموزِ اوقاف کے استعمال کے عدم احساس سے عاری جو منظر پیش کرتے ہیں ، اس سے جو ذہنی اذیت ہوتی ہے ، اور بقول عبدالحق نظر کو معنوں کی تلاش میں جو بے سکونی ہوتی ہے ، اس کا وہی اساتذہ اندازہ لگا سکتے ہیں جو ، ان کے پرچے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں — ذیل میں ایک ایسے ہی کسی طالب علم کے ایک صفحے کی چند سطور کا عکس دیکھیے :-

ایک تو بد خطی ، اوپر سے یہ کہ کہیں کوئی علامت نہیں۔ لفظوں کا ایک جنگل ! پڑھنا دشوار ! — لیکن ، ذہن اور نظر کو اذیت میں ڈال کر پڑھا تو جملے واقعی درست تھے ، جو کچھ لکھا ، بڑی حد تک صحیح تھا۔ وہ عبارت کمپوزنگ کی

خوش خطی اور رموزِ اوقاف کے ساتھ بہت عمدہ اور پرکشش نظر آ رہی ہے — نیز، جملے اور اجزائے جملہ کی معنویت بھی فوراً ظاہر ہو رہی ہے۔ عبارت دیکھیے:-

''سیر کرائی اور محلات کا قیمتی سامان دکھایا ، تو اس کو یقین ہو گیا کہ وہ جنت میں ہے — جب اس نے رات کے وقت خدا کا نور پہاڑوں سے پھوٹتا ہوا دیکھا، تو بے اختیار وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ چلا اُٹھا : 'بے شک ! یہی ہے وہ ، جس کا ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا'
اس طرح، ایک ہفتہ جنت کی دل ربائیوں اور زمرد کے ساتھ گزر گیا— لیکن، اس نے دیکھا کہ (اس) جنت میں تو صبح بھی ہوتی ہے، دن بھی، شام بھی، رات بھی ! — جب کہ قرآن مجید (؟) میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں ہمیشہ صبح رہے گی ۔ زمرد نے اس بارے میں اسے بتایا کہ جنت میں کسی نہ کسی حصے میں چاروں وقت موجود ہوتے ہیں ۔ اور ، جب اس نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تو اسے یقین ہو گیا'

غور کیجیے، یہی عبارت، طالب علم کے اپنے قلم سے، بغیر رموزِ اوقاف کے، اچھے اور درست متن ہونے کے باوجود، بہت مشکل سے پڑھی جا سکتی ہے ۔ اس خامی کی وجہ سے ایک ممتحن اسے وہ نمبر نہیں دے سکتا ، جس کا وہ مستحق ہے — نہ معلوم کتنے طلباء اپنی اس کوتاہی کے سبب اپنا استحقاق کھو بیٹھتے ہیں — اور — یہ صورتحال کسی ایک خاص کلاس یا جماعت سے مخصوص نہیں ہے۔ ایم۔اے۔ تک کی سطح تک یہی حال ہے، بلکہ ، پی ایچ۔ڈی۔ کے بیشتر مقالات بھی، تحریر کی اسی خامی کے سبب، ممتحنین کے لیے عذاب بنے رہتے ہیں۔ سہولت سے نہ پڑھے جانے کی وجہ سے کئی کئی برس ممتحن کے لیے بوجھ اور خود امیدوار کے لیے اضطراب کا باعث ہوتے ہیں — یقین جانئے، طلباء کے پرچوں کے ڈھیر میں ، اگر کوئی پرچہ ایسا آ جائے جس میں خوش خطی اور رموزِ اوقاف کے کسی قدر صحیح استعمال سے کام لیا گیا ہو تو وہ پرچہ خود بخود ممتحن کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے ، اور اگر مندرجات درست ہوں تو وہ اپنا پورا حق وصول کرتا ہے — اور ، یہ صرف اردو ، انگریزی یا کسی زبان کے پرچے ہی میں نہیں ، ہر مضمون میں ، خواہ وہ سائنسی مضمون ہو یا معاشی اور معاشرتی ، بلا مبالغہ ہر مضمون میں ایسے صاف ستھرے پرچوں میں — ممتحن کی سہولت نظر اور معنوں کی گہرائی تک فوری پہنچنے کے سبب ، دس پندرہ نمبروں کا لازمی اضافہ ہو جاتا ہے — تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اگر کسی کا خط زیادہ اچھا نہ بھی ہو، لیکن وہ رموزِ اوقاف کا استعمال بخوبی جانتا ہو ، تب بھی اس کا پرچہ لائق توجہ اور پڑھے جانے کے قابل ہو جاتا ہے — اور ، یوں عام پرچوں کے مقابلے وہ زائد نمبر حاصل کر لیتا ہے — مثلاً، انٹرمیڈیٹ ہی میں طالب علم گیارہ پرچوں کا امتحان دیتا ہے — ہر پرچے میں دس سے پندرہ نمبروں کا اضافہ حاصل کر کے وہ اس جیسے طلباء کے مقابلے میں جو پرچوں کو

بہتر انداز میں پیش کرنا نہیں جانتے ،سو،سوا سو نمبر زیادہ لے لیتا ہے — اور یہ کوئی معمولی فرق نہیں ہے —— ہر چند کہ امتحان میں شاندار کامیابی ہی صرف ہمارا ملتجائے نظر نہیں ، البتہ ، اس منزل کے حصول میں ایک اہم قدم ہے جو رموزِ اوقاف کے استعمال کا مقصد حقیقی ہے ، اور وہ ہے معاشرے میں سچے اور اچھے طلبائے علم کی کثرت —— حقیقت یہ ہے کہ اگر ماں باپ ، اساتذہ اور نظام تعلیم پرائمری جماعتوں میں طلباء کو ''خوش خطی'' کا تحفہ دے سکیں اور بعد کی جماعتوں میں '' رموزِ اوقاف '' کے استعمال پر انہیں مہارت بہم پہنچا سکیں — تو— مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے موجودہ طلباء میں اچھے اور سچے طلباء کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو سکتا ہے —— نفسیاتی طور پر وہ طلباء جنہیں اپنا لکھا خود خوبصورت اور واضح نظر آتا ہے تو حصول علم سے ان کی رغبت بڑھتی ہے — یوں، گویا یہ تحریکیں ہمارے معاشرے میں ، وطنِ عزیز میں، اچھے طلباء میں اضافے کا باعث ہو کر قومی ترقی کی منزل کو آسان بنا سکتی ہیں۔

میرے وہ طلباء جنہوں نے اس نکتے کو سمجھا ، نمایاں کامیابیاں حاصل کیں— حقیقت یہ ہے کہ خواہ طالب علم ہو،کمپوزر ہو ، صحافی ہو، محقق ہو یا مصنف —— جو بھی اپنی تحریر کو سلیقے سے پیش کرے گا ، خاطر خواہ فائدہ اٹھائے گا۔رموزِ اوقاف کا استعمال دراصل اپنی تحریر کو سلیقے اور خوبصورتی سے پیش کرنے کا ہی نام ہے — آپ پانی کے گلاس کو دوسرے کے سامنے اس سلیقے سے پیش کریں کہ گلاس پلیٹ میں رکھیں،ایک ہاتھ پلیٹ کے نیچے ہو اور دوسرے سے گلاس کو سہارا دیں اور احترام کے جذبات کے ساتھ کسی کو پیش کریں تو اس کا اثر بڑا عمدہ ہوگا ، بہ نسبت اس کے کہ ایک ہاتھ کی انگلیوں سے گلاس کو اوپر سے پکڑا ہوا ہو اور دوسرے کو یوں دیں کہ آپ کا منہ دوسری طرف ہو،تو اس بد تہذیبی کا اثر کچھ اور ہوگا — رموزِ اوقاف بھی اپنی نگارشات اور تحریروں کو دوسروں کے سامنے شائستگی ،تہذیب اور خوبصورتی سے پیش کرنے کا ایک سلیقہ ہے۔

یہ تو ہوئی بات رموزِ اوقاف کے استعمال سے تحریر کی خوبصورتی ،نظر کے سکون اور نگاہ کے نہ تھکنے کی، جس کی وجہ سے پڑھنے والے کو آسانی ہوتی ہے اور نتیجتاً لکھنے والے ہی کو فائدہ ہوتا ہے — لیکن ، اہم تر بات یہ ہے کہ رموزِ اوقاف کے استعمال سے معنی کے تعین میں مدد ملتی ہے ۔ بغیر رموزِ اوقاف کے بعض وقت تحریر کا کچھ بھی مطلب نہیں نکلتا — مثلاً چند الفاظ پر مشتمل یہ جملہ دیکھیے :۔

ارے اسے روکو مت جانے دو

اس جملے میں کوئی علامت نہیں ہے ، اس کے مفہوم کا تعین نہیں کیا جا سکتا، جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ بولنے والے نے کہاں وقفہ دیا ہے یا کہاں ٹھہرا ہے۔فرض کیجئے وہ : ''ارے! اسے روکو'' کہہ کر تھوڑی دیر رکتا ہے اور پھر باقی جملہ

مکمل کرتا ہے تو رموزِ اوقاف کے استعمال کے بعد جملہ یوں لکھا جائے گا:-

ارے ! اسے روکو ، مت جانے دو۔

استجابیہ / ندائیہ / فجائیہ، سکتہ اور ختمہ کے استعمال کے بعد اب حقیقی مفہوم واضح ہوا کہ کوئی شخص کسی کو مخاطب کر کے اپنے مطلوبہ شخص کو روک لینے کو کہہ رہا ہے کہ اسے قطعاً نہ جانے دو۔ لیکن، اگر کہنے والا: ''ارے! اسے روکو مت'' کہہ کر تھوڑی دیر ٹھہرا ہے تو اب جملہ یوں لکھا جائے گا:-

ارے ! اسے روکو مت ، جانے دو۔

گویا، اب وہی شخص اپنے مخاطب سے یہ کہہ رہا ہے کہ اس کے مطلوبہ شخص کو بالکل نہ روکو، اسے جانے دو۔ دیکھیے، الفاظ وہی ہیں، صرف ایک علامت کے ایک جگہ سے دوسری جگہ بدل جانے سے جملے کے معنوں میں زمین آسمان کا فرق پڑ گیا—

رموزِ اوقاف کے استعمال نہ کرنے سے اصل مفہوم تو عبارت کا واضح ہوتا ہی نہیں ہے — لیکن — رموزِ اوقاف کے غلط استعمال سے بھی جملے بے معنی اور مضحکہ خیز ہو کر رہ جاتے ہیں — اگر کوئی صاحب جلسے سے خطاب کرتے ہوئے یوں کہیں:-

''جناب صدر نشیں صاحبان ، علم و دانش حاضرین ، کرام!''(۱)

تو، ذرا سوچیئے خطاب کرنے والے کو لوگ احمق کہیں گے— اب خطاب کے اس جملے کو رموزِ اوقاف کے صحیح استعمال کے بعد دیکھئے:-

''جناب صدر نشیں،
صاحبانِ علم و دانش،
حاضرین کرام!''

اسی لیے انسائیکلو بریٹانیکا میں کہا گیا ہے کہ پنکچو ایشن تحریر میں غالباً، وقفوں کے لیے ان روایتی علامتوں اور فن طباعت کے ان طریقوں کا نام ہے، جن کی مدد سے کسی عبارت کو، خواہ وہ ہاتھ سے لکھی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی ہو، اس کو صحیح ، طریقے سے سمجھنے اور درست پڑھنے میں مدد ملے ، خواہ ہم اسے آہستہ پڑھیں یا زور سے۔(۲)

گویا، کسی بھی تحریر کو خواہ وہ قلمی ہو یا مطبوعہ کتب کی صورت میں ہو، اس کے درست مفہوم تک پہنچنے اور صحیح انداز میں پڑھنے کے لیے ان رموزِ اوقاف کے بغیر کام نہیں بنتا —— رموزِ اوقاف ، تحریر کا لازمی جزو ہیں — جو زبان

اس نعمت سے محروم ہے، اس کی علمی، ادبی اور سائنسی ترقی کے امکانات مسدود ہو جاتے ہیں — لہٰذا، اردو تحریروں کی ظاہری سلاست اور شائستگی ان علامتوں کے بغیر ممکن ہی نہیں —— چنانچہ دانشوروں کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اگر اردو زبان کو جامعیت سے ہمکنار کرنا ہے تو آج کی ہمہ وقت ترقی کرتی ہوئی دنیا میں کوشش کی جانی چاہیے، کہ تمام علوم جدیدہ اس زبان میں بے ساختہ پن کے ساتھ سما جائیں، اور نہ صرف انگریزی بلکہ دیگر زبانوں کے قیمتی خیالات و تجربات کے خزانے پوری بے تکلفی سے اس میں سموئے جاسکیں— اس کے لیے ضروری ہے کہ اردو کی تہی دامنی کے داغ کو دور کر کے رموزِ اوقاف کا ایک مکمل نظام وضع کیا جائے۔(۳)

رموزِ اوقاف کی علمی اعتبار سے اہمیت پر زور دیتے ہوئے ممتاز منگلوری نے درست لکھا تھا:-

''قانون کی کتب، سرکاری احکامات، ایکٹس (Acts) رولز اور آرڈیننسوں وغیرہ میں رموز اوقاف کا کس قدر اہتمام ہے، اس سے آپ سب آشنا ہیں۔اس اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ ایک نکتے کا غلط استعمال بھی کسی قانون، ایکٹ یا رول (Rule) کی روح کو اور اس کے مفہوم کو یکسر بدل سکتا ہے—— رموزِ اوقاف کی یہ اہمیت صرف قانون یا ایکٹس (Acts) تک محدود نہیں، ان کا غلط استعمال دیگر تحریروں کو بھی اسی طرح متاثر کرتا ہے — لیکن، مسئلہ اس کے محسوس کرنے کا ہے۔''(۴)

وقت کی اسی اہم ضرورت (۵) کے پیش نظر اردو میں رموزِ اوقاف کے ایک مکمل نظام کی اخذ کردہ علامتیں، ان کے اردو نام، ان کی اشکال و اہمیت کے بیان کے بعد اب اس مقالے کی صورت میں یعنی انگریزی سے استعمال کی، تمام علامتوں کے محل استعمال، انگریزی اور اردو کی مستند کتب کی روشنی میں، توضیع و توضیح کی جا رہی ہے۔

باب: ہشتم 1

رموزِ اوقاف کی تفصیل

ختمہ: (Full stop)

انگریزی میں ختمے کے لیے پوائنٹ (Point)، پاز (Pause) اور پیریڈ (Period) کے الفاظ استعمال کیے جاتے رہے ہیں، اور اب بھی بولے جاتے ہیں، لیکن فل سٹاپ (Full stop) کا لفظ اپنے مقصد کی معنویت سے قریب ترین ہونے کے سبب عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور معروف ہے۔ تحریر میں آنے والے وقفوں میں سب سے طویل وقفہ یہی ہے۔

اردو میں فل سٹاپ (Full stop) کے لیے سر سید نے "وقفہ کامل" اور بعد ازاں نعیم الرحمٰن نے "نقطہ" یا "قاطعہ" تجویز کیا —— لیکن، مولوی عبدالحق نے اس کے لیے "ختمہ" کا لفظ تجویز کیا —— اور —— یہی لفظ اردو میں اپنی مقصدیت سے قریب ہونے، مختصر اور آسان ہونے کے سبب، مقبول عام ہوا۔ اب سب ماہرین اسی پر متفق ہیں۔

انگریزی میں ختمے یعنی فل سٹاپ (Full stop) کے لیے ایک نقطے کا استعمال کیا جاتا ہے، ایسے:-

________________ " . " ________________

لیکن اردو حروف تہجی میں چونکہ خود نقطے بہت زیادہ ہیں، اس لیے بہت سے نقطوں میں یہ ایک نقطہ گم ہو کر رہ جاتا، لہٰذا، اردو میں تین چار نقطوں کے بقدر یا دو یا تین سینٹی میٹر کی لمبائی کے برابر عین لائن کے اوپر لیٹواں یا چھوٹا سا افقی خط استعمال کیا جاتا ہے، ایسے:-

________________ " ـ " ________________

استعمال کے مواقع:

ختمے کے استعمال کے مواقع حسب ذیل ہیں:-

(ا) سادہ یا مرکب جملے کے اختتام پر، جس میں کوئی مفہوم مکمل طور پر ادا کر دیا گیا ہو، وہاں ختمے کی علامت استعمال

کی جاتی ہے ، مثلاً:-

☆ میں پڑھتا ہوں۔ (سادہ جملہ = فاعل+فعل)

☆ میں کتاب پڑھتا ہوں۔ (سادہ = فاعل+مفعول+فعل)

☆ میں نے وہ کتاب، جو پچھلے ہفتے تم نے مجھے دی تھی ، پوری پڑھ لی۔
(مرکب جملہ)

(۲) ایک مکمل جملے کے بعد، ایک ایسے زائد جملے کے ساتھ بھی ختمہ لگایا جاتا ہے، جس کے مفہوم کی تکمیل پہلے جملے سے مربوط ہو ، مثلاً:-

☆ محمود اپنے دل میں میرے لیے انتقام کا جذبہ رکھتا تھا ، سو ، اس نے لیا۔

(۳) مخففات کے ساتھ:

مخففات کے ساتھ بھی ختمہ استعمال کیا جاتا ہے ، مثلاً:-

ن۔م۔راشد (نذر محمد راشد)

ا۔د۔نسیم (اللہ دتہ نسیم)

اسی طرح ڈگریوں کے مخفف حروف کے بعد بھی ختموں کا استعمال کیا جاتا ہے ، مثلاً:-

ایم ۔ ایس سی۔

ایم ۔ اے۔

پی ایچ ۔ ڈی۔

اور اگر کئی ڈگریوں کو ملا کر لکھا جائے تو ہر نئی ڈگری سے پہلے سکتے (Comma) کی علامت بھی لگائی جائے گی ، مثلاً:-

ایم ۔ اے ۔ ، پی ایچ ۔ ڈی ۔ ، ڈی ۔ لٹ ۔(۱)

یاد رہے کہ اگر کسی لفظ کا مخفف دو حروف پر مشتمل ہو تو اسے بغیر ختمے کی علامت کے اکٹھا لکھا جائے گا ، مثلاً:-

فلاسفی کا مخفف = پی ایچ۔

سائنس کا مخفف = ایس سی۔

سائنسی علوم میں جو مخففات استعمال کیے جاتے ہیں، بالعموم ان کے درمیان ختمے کی علامت نہیں لگائی جاتی ، مثلاً:- سینٹی میٹر = سم

ملی میٹر = مم

اسی طرح معروف اداروں کے مخففات، مکمل ناموں کے قائم مقام نظر آتے ہیں —— ان کے ابتدائی حروف کو ملا کر ایک نام بن جاتا ہے، خواہ وہ مبہم ہی کیوں نہ ہو، (البتہ، کثرتِ استعمال سے اس ادارے کا تصور اس سے وابستہ ہو جاتا ہے) ان کے حروف پر مشتمل نام ویسے ہی لکھا جاتا ہے، مثلاً:-

واپڈا = (واٹر اینڈ پاور ڈویلپمنٹ اتھارٹی)

میپکو = (ملتان الیکٹرک پاور کمپنی)

یونیسکو = (یونائیٹڈ نیشنز ایجوکیشنل، سائنٹیفک اینڈ کلچرل آرگنائزیشن)

لیکن، بعض اداروں کے حروف کو ملا کر کوئی رواں مخفف لفظ نہ بن سکے، تو، ان کے مخفف حروفِ تہجی کو الگ الگ کر کے بولا جاتا ہے، اور ویسے ہی لکھا جاتا ہے۔ مثلاً:-

ایس ۔ ای ۔ کالج بہاول پور = (صادق ایجرٹن کالج)

یو ۔ ایس ۔ اے ۔ = (یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکا)

یو ۔ این ۔ او ۔ = (یونائیڈ نیشنز آرگنائزیشن)

کے ۔ ای ۔ ایس ۔سی ۔ = (کراچی الیکٹرک سپلائی کمپنی)

انگریزی میں ، عام طور پر، ان مخفف حروف کے درمیان ختمے نہیں ڈالے جاتے۔ وجہ غالباً اس کی یہ ہے کہ ان مخففات کو بڑے حروف (capital letters) میں لکھ دیا جاتا ہے، لیکن اردو میں ملا کر لکھے جانے والے حروف یکساں ہوتے ہیں، چھوٹے بڑے نہیں ہوتے، لہٰذا، اردو میں ان کے درمیان ختمے ڈال دینے چاہییں ، تا کہ حروف واضح نظر آئیں۔ خاص طور پر یہ کہ آخری حرف کے لیے کسی آنے والے اردو حرف کے ساتھ مل کر کسی غلطی کا امکان نہ رہے ۔ مثلاً ہم لکھنا چاہیں:-

یواین او کے ادارے نے دنیا کے امن ....

یہاں ''او'' کے ساتھ ''کے'' انگریزی کے حرف "K" سمجھے جانے کا بھی احتمال ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ابہام سے بچنے کے لیے:-

یو۔این۔او۔

کے تینوں حروف کے ساتھ ختمے لگا دینے چاہئیں ، اور، پھر بھی یہ خیال رکھا جائے کہ ''او' اور ''کے'' کے درمیان بقدر ایک حرف کا فاصلہ ہو۔ ہاں، ایک اور صورت ہوسکتی ہے کہ اگر یو این او ، کو ملا کر ہی لکھا جائے تو اس کے اوپر اکہرے واوین لگا دیئے جائیں تا کہ رواں جملے میں ان حروف کی تحدید ہو جائے ، یوں:-

'یو این او'

(یہ بات اکہری واوین کے تحت بھی زیر بحث آئے گی۔)

عربی مخففات بھی اردو میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ان کے درمیان ایک تو وقفے نہیں ہوتے، دوسرے اس کے لکھنے کا طریقہ مختلف ہے۔ اس میں ابتدائی حرف اگر علیحدہ سے لکھا جانے والا ہو ، تو، وہ تو پورا لکھا جاتا ہے لیکن اس کے بعد کا نصف، یوں:-

رح = (رحمۃ اللہ علیہ کا مخفف)

رض = (رضی اللہ عنہ کا مخفف)

اگر حروف ملا کر لکھے جانے والے ہوں، تو سب حروف نصف ہوں گے، مثلاً:-

جلہ = (جل جلالہٗ کا مخفف)

ﷺ /صلعم☆ = (صلی اللہ علیہ وسلم کا مخفف)

عربی کے ان مخففات کو متعلقہ لفظ کے بائیں طرف ذرا سا اوپر کر کے لکھا جاتا ہے ، یوں:-

حضرت نظام الدین اولیاؒ

☆ نوٹ: اللہ کا نام تو معبودِ حقیقی کا ذاتی نام ہے اور وہ ہر شے سے بے نیاز ہے —

لیکن نبی کریم ﷺ کے نام کے ساتھ درود پڑھنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔لہٰذا ان کے نام کے ساتھ بہ تقاضائے ادب مختصر درود: ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا جاتا ہے— لیکن اس مختصر درود میں بھی مزید تخفیف سوئے ادبی کے مترادف سمجھی جاتی ہے۔

باب: ہشتم 2

علامتِ حذف

ڈاٹس آف اومیشن(Dots of omission) کا ترجمہ 'نقاط حذف' اس لیے کیا جاتا ہے کہ اردو میں ڈاٹس (Dots) یعنی نقطوں کی بجائے ختمے کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ 'ختماتِ حذف' کی ترکیب نامانوس ہے ، 'نقاط' میں اصل نشان کی صحیح عکاسی نہیں ہے، لہٰذا اس کے لیے' علامت حذف ' کی ترکیب زیادہ موزوں ہے —— انگریزی میں فل سٹاپ (Full stop) کے لیے نقطے کا نشان مروج ہے، انہی نقطوں کی تعداد بڑھا کر محذوف الفاظ یا عبارت کی نشاندہی کی جاتی ہے ، اردو میں بھی ختموں کی تعداد بڑھا کر انہیں محذوف الفاظ یا عبارت کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے ، کئی ختموں سے مل کر اس کی تشکیل ہوتی ہے ، ایسے:-

" ـــــ "

علامت کے استعمال کے مواقع:

علامت حذف(Dot of omission) کے لیے رموزِ اوقاف کے ماہر 'ایرک پیٹرج' نے یہ وضاحت کی ہے:-

"Three dots usually indicate that three, certainly three, perhaps more, words — but not a complete sentence — have been omitted; and they are usually written close .. but not spaced . . . "

وہ مزید لکھتے ہیں:-

"Six dots ...... indicate that a complete sentence or several complete sentences have been omitted or missing."

پورے ایک پیراگراف یا کئی پیراگرافوں کے حذف کے سلسلے میں ان کا کہنا ہے:-

"A complete line of dots indicate omission of a paragraph, except ... the first word of the paragrapsh.
----- two such lines would indicate the omission of two paragraphs ; there, that of a passage."(1)

مصنف کی مذکورہ بالا وضاحتوں سے، بجا طور پر ، یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ حذف شدہ حروف کی تعداد یا تحریری مواد اور علامت حذف کے ختموں کی تعداد میں مناسب ربط ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ دو چار حروف حذف ہیں، تو، ان کے لیے بھی اتنے ہی ختمے، اور دو لائنیں حذف ہیں ، تو، ان کے لیے بھی وہی—— ! ختموں کے انداز سے پتہ

چل جانا چاہیے کہ درمیان سے کتنا مواد حذف ہے۔ علامت کے استعمال میں قطعیت کے لیے ان امور پر ذیل میں روشنی ڈالی جارہی ہے۔

(۱) اگر کسی جملے، مصرعے یا شعر میں پانچ الفاظ تک کے بقدر حذف ہوں، تو وہاں ان کی تعداد کے برابر ختمے لگائے جائیں گے، مثلاً:-

میں نے کہا کہ بزم ناز --- تھی

مذکورہ مصرعے میں تین لفظ : ''چاہیے غیر سے'' —— حذف ہیں۔ لہٰذا، ان کی جگہ تین ہی ختمے لگائے جائیں گے۔ اسی طرح اقبالؔ کے اس مصرعے ع

خودی کا سرِ نہاں ----

میں چار ختمے ، چار الفاظ: '' لاالٰہ الا اللہ '' کی جگہ لگائے گئے ہیں۔

(۲) پانچ الفاظ سے زیادہ یا پورا جملہ حذف ہو، تو، اس کے لیے چھ ختمے لگائے جائیں گے ، مثلاً کسی کتاب سے کوئی اقتباس نقل کیا جائے اور اس میں پورا ایک جملہ درمیان سے حذف کیا گیا ہو، تو، اس کی جگہ چھ ختمے لگیں گے(۲)۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کی کتاب ''فروغ اقبال'' کے باب اوّل صفحہ نمبر ۱۳، کی ابتدائی چند سطور میں درمیان کا ایک جملہ حذف کر کے یوں لکھا جائے گا:-

''۱۹۰۵ء میں اقبال جب انگلستان پہنچے، تو ڈاکٹر آرنلڈ کے مشورے سے ٹرنٹی کالج کیمبرج میں داخل ہو گئے ------ جس کی اہمیت و شہرت کا خاص سبب وہاں کے متعدد تعلیمی ادارے ہیں۔''(۳)

میری تجویز یہ ہے کہ اگر دو جملے حذف ہوں، تو، ان چھ ختموں کے بعد ایک مرتبہ جمع کی علامت: '' + ''، لگا دی جائے ، اسی طرح تیسرے جملے کے لیے ایک اور جمع کی علامت — اور— صرف چوتھے جملے تک ایک اور علامت۔ گویا، چھ ختمے اور جمع کی تین علامتوں کا مطلب ہوگا کہ یہاں سے صرف چار جملے حذف کیے گئے ہیں۔ اس طرح ختموں اور نشانات سے قطعی طور پر اندازہ ہو جائے گا، کہ ، آیا یہاں سے دو، تین یا پانچ الفاظ حذف ہیں، یا پورا ایک جملہ حذف ہے یا ایک سے زیادہ چار جملے حذف ہیں — موجودہ صورتِ حال میں علامتِ حذف اور محذوف مواد میں کوئی مطابقت نہیں نظر نہیں آتی— اب، چار جملوں سے زیادہ مواد حذف ہو، تو، پھر وہ پورا پیراگراف ہی بن جائے گا۔ پیراگراف کے حذف کرنے کا قاعدہ آگے دیا جا رہا ہے۔

(۳) اگر کسی ماخوذ اقتباس کی صورت میں پورا پیراگراف محذوف ہو، تو، ایسے میں، اس عبارت کے دو دو یا تین تین الفاظ شروع اور آخر میں لکھ کر درمیان کی پوری سطر میں ختمے لگا دیئے جاتے ہیں، ایسے:-

''درگزر کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی ثانی نہیں۔''

امتحانی پرچوں میں دیئے ہوئے اقتباس کو طلباء کو اپنی جوابی کاپیوں پر نشاندہی کے لیے اسی طرح لکھنا چاہیے، اور اچھے طلباء ایسا ہی کرتے ہیں — اس طرح نشاندہی کرنے سے ممتحن کو یہ جان لینے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ کئی پیراگرافوں میں سے کس خاص پیراگراف کی تشریح کی جا رہی ہے —— امتحانی مقصد سے قطع نظر اگر کسی مضمون یا مقالے میں کسی خاص مقصد کے لیے پورا پیراگراف دینے کی بجائے اگر صرف اس کی نشاندہی مقصود ہو، تو مذکورہ انداز میں پیراگراف کے اوّل آخر دو دو یا تین تین الفاظ لکھ کر اس کا پورا حوالہ بھی دینا ہوگا، تاکہ اگر متجسس قاری اصل عبارت دیکھنا چاہے تو وہ اصل متن تک پہنچ سکے ۔ مثلاً، پیراگراف کا حوالہ یہ ہے:-

''عشائیہ میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رو دیا۔'' [1]

اس کی اصل متن تک رسائی کے لیے حوالہ یوں دیا جائے گا:-

[1] شیخ منظور الٰہی: ''روہی کی خوشبو''؛ مضمون مشمولہ سہ ماہی ''الزبیر''، بہاولپور ؛ اردو اکیڈمی ، بہاول پور ؛ ۱۹۹۴ء ، ص:۷۲۔

(۴) کسی عبارت کے شروع ، آخر یا درمیان میں اگر محذوف مواد کا اندازہ نہ ہو کہ وہ کتنا ہے، تو شروع میں بغیر الفاظ دیئے آٹھ ختمے لگائے جائیں گے، مثلاً:-

''۔۔۔۔۔۔۔۔شعریت، بجائے خود، ایک ایسی دشوار گھاٹی ہے، جس میں اچھے اچھوں کا پتا پانی ہو جاتا ہے۔''(۳)

درمیان میں نامعلوم عبارت حذف ہو ، تو، یوں:-

''نقاد کا اوّلین فرض ادب کو پرکھنا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔لہٰذا، نقاد کے لیے بھی فن کی پوری پوری واقفیت ومہارت لازمی ہے۔''(۴)

آخر میں اگر غیر معینہ عبارت حذف کی گئی ہو، اسے یوں لکھا جائے گا:-

''اصطلاح شاعری میں ' قافیہ ' ان حروف کو کہتے ہیں، جو مطلع غزل وقصیدہ اور ابیات مثنوی کے ہر مصرعے کی آخر میں اور قطعہ وباقی اشعار غزل۔۔۔۔۔۔۔۔''(۵)

باب: ہشتم 3

وقفہ

وقفے کو انگریزی میں سیمی کولن (Semi colon) کہتے ہیں۔ جس کی علامت انگریزی میں اردو کی 'واؤ' کی طرح ہے، جس کے اوپر نقطہ لگایا جاتا ہے۔ 'واؤ' کا گول سرا لائن کے اوپر ہو اور نیچے کی طرف کھنچا ہوا ہو، ایسے:-

________ " ; " ________

اردو میں اس کی شکل اس کے برعکس رخ ہوتی ہے، کیونکہ، اردو، انگریزی کے مقابلے میں دائیں سے بائیں لکھی جاتی ہے۔ لہٰذا، اردو میں سیدھی 'واؤ' کی بجائے الٹی 'واؤ' ــــ جس کا گول سرا تو اسی طرح لائن کے اوپر، لیکن مڑا ہوا اور کھنچا ہوا حصہ لائن کے اوپر کی طرف، ایسے:-

________ " ؛ " ________

ایرک پیٹرج نے وقفے کو ختمے (Full stop) اور سکتے (Comma) کا مرکب بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے:-

> "It is also a modified period and strengthened comma. Stronger, more decisive than comma, --- slightly weaker, slightly less deisive than the colon, and considerably weaker than the period."(1)

گویا، ختمہ (Full stop) لگانے کے بعد تو ایک بات، اپنے پورے مفہوم کے ساتھ، مکمل ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ سب سے زیادہ طویل ٹھہراؤ کی علامت ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں، سیمی کولن یا وقفہ اس سے کچھ کم وقت کے ٹھہراؤ کی نشانی ہے، جو سکتہ (Comma) سے، البتہ، زیادہ ٹھہراؤ ہے ــــ اس قسم کے جملوں میں جہاں وقفوں کا استعمال ہوتا ہے وہاں ایک مکمل بات مختلف اور کئی ٹکڑوں پر مشتمل ہوتی ہے، جس کا ہر ٹکڑا اپنی جگہ مکمل معنی تو دیتا ہے، لیکن اپنے حتمی معنوی تکمیل کے لیے ایک بڑے جملے سے مربوط بھی ہوتا ہے۔

اردو میں اس وقت ویسے ہی رموزِ اوقاف کے استعمال کا مکمل شعور اور چلن نہیں ہے۔ سوچا جا سکتا ہے کہ چند علامتوں کے استعمال پر زور دیا جائے، سیمی کولن (وقفہ) جیسی علامت کی باریکیوں میں کون جائے۔ غالباً، اسی لیے ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (۲) اور ڈاکٹر ممتاز منگلوری (۳) نے بھی اس علامت کے استعمال کو زائد از ضرورت اور غیر ضروری قرار دیا ہے ــــ لیکن ــــ اگر غور کیا جائے تو اس علامت کا محل استعمال بھی ہمارے مستقبل کے علمی، قانونی

اور خاص طور پر تحقیقی کاموں کے لیے اردو میں بہت ضروری ہے۔ ابھی تک ہماری علمی دنیا رموزِ اوقاف کے استعمال کے نیم شعوری دور سے گزر رہی ہے، جو دو چار علامتیں مستعمل ہیں، ان میں بھی یکسانیت مفقود ہے۔ اس لیے علمی اور تحقیقی مقالات میں ہماری زبان 'سکالرز' اور 'ری سرچرز' کا ساتھ نہیں دے پاتی۔۔۔اس علامت کے مواقع استعمال اتنے اہم ہیں کہ اردو دنیا کو اس کی افادیت سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔ اس علامت کے مندرجہ ذیل استعمال کے مواقع پر غور کیجیے، تحریر کی معنویت کس خوبصورتی سے اجاگر ہوتی ہے۔

استعمال کے مواقع:

یہ علامت اس موقعے پر استعمال کی جاتی ہے، جہاں ایک طویل جملے میں، اس کی وضاحت کے لیے، کئی چھوٹے چھوٹے مکمل جملے آ جائیں ؛ جو ، اپنی مکمل تفہیم کے لیے پورے جملے سے مربوط ہوں۔ مندرجہ ذیل مثال پر غور کیجیے:۔

> اس دورِ پرفتن میں، جہاں ہر طرف قتل و غارت گری کا دور دور ہے ؛ بھائی ، بھائی کا دشمن ہے ؛ عزیزوں کا خون سفید ہو چکا ہے ؛ معاشرے میں محبت ، مروّت اور خلوص کا فقدان ہے ، ایسے میں کسی شخص کا امن و سلامتی اور ذہنی سکون کے ساتھ زندگی گزارنا کارِ محال ہے۔

مذکورہ بالا طویل جملے کے اندر چار چھوٹے مکمل جملے موجود ہیں، جن کے بعد وقفے کی علامتیں دی گئی ہیں کہ یہ طویل جملے کے توضیحی ٹکڑے ہیں۔

مولوی عبدالحق نے ''قواعد اردو'' میں وقفے کے استعمال کے لیے ایک طویل عبارت (جملے) کی مثال دی ہے(۴)۔ وہی مثال رشید حسن خاں نے ''اردو املا'' میں نقل کی ہے(۵)۔ یہ مثال بھی وقفے کے محلِ استعمال کو بخوبی واضح کر رہی ہے:۔

> ''حق یہ ہے کہ اس زمانے میں، جب کہ قومی تپش نما کا پارا ہر گھڑی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے ؛ جب کہ باوجود تعلیمی کاموں کی کثرت کے، قومی تعلیم کا کوئی صحیح خاکہ ہمارے سامنے نہیں ہے ؛ جب کہ سیاسی تار و پود سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے مگر کوئی طریقہ قومی فلاح کا ایسا نہیں ہے، جس پر تمام جماعتیں متفق ہو سکیں ؛ جب کہ مصلحت اور اصول ، چال اور صداقت ، تلوّن اور استقامت میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے ؛ جب کہ باوجود سادگی کے ادّعا کے، عیش پرستی کے بہت سے چور دروازے کھلے ہوئے ہیں ؛ ☆ جب کہ باوجود ایثار اور قربانی کے دعووں کے، حقیقی ایثارِ نفس اور ضبطِ نفس بہت کم نظر

☆ حیرت ہے کہ رشید حسن خاں نے یہ پورا جملہ لکھنے کی بجائے یہیں تک نقل کر کے چھوڑ دیا ہے، جس سے علامت کا اصل مقصد ظاہر نہیں ہو رہا۔

آتا ہے ، نواب وقار الملک کی سیرت ایک بڑی نعمت ہے۔"

فرمان فتح پوری نے بھی ماہنامہ "نگار" میں یہی مکمل عبارت بطور مثال دی ہے۔(۶)

ایک اور مثال:-

بہت سے دوسرے انسانوں کی طرح ، وہ بھی پیدا ہوا ؛ اس نے بھی ملازمت کی ؛ اس نے بھی شادی کی ؛ اس کے بھی بچے ہوئے ؛ اور وہ مر گیا —— اس کی زندگی میں کیا خاص بات ہے؟ !

ایک مزید مثال:-

تم روئے ، ہمارا دل بے چین ہوا ؛ تمہاری انگلی دکھی ، ہمارے دل پر چوٹ لگی ؛ مصیبتیں ہم نے جھیلیں ؛ تکلیفیں ہم نے اٹھائیں ؛ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ہم بیٹھے ؛ کندھے سے لگایا ، پچکارا ، لوریاں سنائیں ؛ غرض یہ کہ جان ، مال ، آرام سب کچھ تمہارے لیے تج دیا ، کیا اس کا یہی صلہ ہے؟

(۲) وقفہ، ایک ایسے طویل جملے کی مختلف اکائیوں کے درمیان بھی استعمال ہوتا ہے ، جس کا ہر چھوٹا جملہ کسی خاص اکائی کی نشاندہی کرتا ہے۔ مثلاً: حالی ، نذیر احمد اور محمد حسین آزاد کی اہم کتب کا ذکر ایک طویل جملے میں آئے، تو ہر ادیب کی کتب کا ذکر الگ الگ جملوں میں کیا جائے گا ، اور پھر مجموعی طور پر ان سب کتب کے بارے میں ایک رائے پیش کی جائے گی، یوں ایک طویل جملہ مکمل ہوگا ، یہ دیکھیے:-

حالی کی : "حیات سعدی" ، "یادگار غالب" اور "حیات جاوید" ؛ شبلی کی: "سیرت النبی" ، "الفاروق" ؛ نذیر احمد کی: "توبۃ النصوح" ، "فسانہ مبتلا" اور محمد حسین آزاد کی: "آبِ حیات" ، "نیرنگ خیال" اور "قصص ہند" انیسویں صدی عیسوی کے اردو ادب کا ایک وقیع سرمایہ ہیں۔

اسی طرح علامہ اقبال کی اوّلین کتب کا سن وار ذکر کیا جائے تو ہر سن کی مطبوعہ کتاب کے ساتھ وقفے کی علامت استعمال کی جائے گی، مثلاً:-

علامہ اقبال کی نثر کی پہلی کتاب: "علم الاقتصاد" ، ۳ر جون ۱۹۰۳ء میں ؛ فارسی شاعری کا پہلا مجموعہ : "اسرار خودی" ، ۱۷؍اکتوبر ۱۹۱۵ء میں ؛ اردو شاعری کا پہلا مجموعہ : "بانگ درا" ستمبر ۱۹۲۴ء میں اور خود علامہ اقبال پر پہلی اردو کتاب: "اقبال" احمد الدین وکیل کی ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی۔

(۳) وقفے کی علامت وہاں بھی استعمال کی جائے گی، جہاں ایک ہی عبارت میں مختلف فہرستیں ہوں ، تو ، ہر ایک کو

دوسرے سے علیحدہ ظاہر کرنے کے لیے وقفہ استعمال کیا جائے گا، مثلاً:-

گورنمنٹ کالج برائے خواتین سے: شبانہ، شہلا اور نوشی؛ گورنمنٹ کالج فار بوائز سے: معاذ، عمران اور شکیل؛ صادق پبلک کالج سے: ہارون، مرتضیٰ اور راجہ امجد اور دیگر کالجوں کے بہت سے طلباء نے تقریری مقابلوں میں حصہ لیا۔

ایک اور مثال:-

جب میں نے گھر دیکھا ، تو، مختلف جگہوں پر فرنیچر اس ترتیب سے تھا:-

ڈائننگ روم : ایک میز، چھ کرسیاں ، ایک سائیڈ بورڈ ؛ ڈرائنگ روم : دو میزیں ، چار صوفے ، بڑا پیانو ؛ بیڈروم (بڑا) : ایک ڈبل بیڈ ، دو کرسیاں ، ایک ڈریسنگ ٹیبل۔

(۴) ایسے دو جملے جن کے مفاہیم ایک دوسرے کے متضاد ہوں، ان کے درمیان خواہ حروف متضاد وغیرہ (تاہم، لیکن، البتہ) ہوں یا نہ ہوں، ان کے درمیان وقفے کی علامت ہوگی ، مثلاً:-

مریم اسے پسند کرتی ہے ؛ لیکن اس کے لباس کو پسند نہیں کرتی۔

تم مجھ سے نفرت کر سکتے ہو ؛ لیکن نظر انداز نہیں کر سکتے۔

(۵) ایسے چند جملوں کے درمیان بھی وقفے کی علامت استعمال کی جاتی ہے، جو سب ایک ہی مشترک مفہوم پر دلالت کرتے ہوں ، مثلاً:-

- میاں کو بیوی کی ضرورت ہے؛ بیوی کو میاں کی؛ اور ان کے بچے کو دونوں کی۔
- اگر تمہارا آنا ممکن ہے تو، آ جاؤ؛ نہیں آ سکتے تو، خط لکھو ؛ خط بھی نہیں لکھ سکتے، تو، براہِ کرم فون کرو۔

(۶) کچھ حروف ایسے ہیں، جن سے پہلے وقفے کی علامت ضروری معلوم ہوتی ہے، مثلاً: 'مزید براں' ، 'تاہم' ، 'البتہ' ، 'چنانچہ' ، 'پس' ، 'اس لیے'، 'پھر' وغیرہ۔

مثلاً:-

- وہ ایک جری آدمی تھا ؛ مزید براں ، ذہین بھی تھا۔
- تم جہاں چاہے جاؤ ؛ البتہ ، میرے پاس نہ آنا۔
- وہ ایک غیر ملکی ہے ؛ چنانچہ ، اس سے اردو بولنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔
- تم ماہر لسانیات ہو ؛ پھر ، ایک عالم بھی۔(۷)

(۷) تحقیقی مقالات میں کسی کتاب، رسالے یا اخبار کا تفصیلی حوالہ دینا ہو، تو، اس سلسلے میں جو، جوڑے بنائے جائیں، انہیں ایک دوسرے سے ممیز کرنے کے لیے درمیان میں وقفے کی علامت استعمال کی جائے گی۔ مثلاً، کسی کتاب کا تفصیلی حوالہ دینا ہو ، تو، اس کے جوڑے یوں بنیں گے:۔

پہلا : مصنف کا نام ، کتاب کا عنوان ،

دوسرا : پبلشر کا نام و پتہ،

تیسرا : سن اشاعت ، صفحہ نمبر۔

مثال کے طور پر ایک کتاب کے تفصیلی حوالے میں رموزِ اوقاف ، خاص طور پر وقفے (Semi colon) کا استعمال دیکھیے:۔

ابن انشاء: ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں'' ؛ شیخ غلام علی، چوک انارکلی ، لاہور ؛ ۱۹۶۹ء ، ص:۱۵۔

کسی اخبار یا رسالے کے سلسلے میں جوڑے حسب ذیل ہوں گے:۔

پہلا : مضمون نگار کا نام ، مضمون کا عنوان ،

دوسرا : رسالے یا اخبار کا نام مع وضاحت (روز نامہ ، ہفتہ وار، ماہوار، سہ ماہی)

تیسرا : ادارہ و مقام اشاعت۔

چوتھا : شمارہ نمبر، تاریخ و سنہ،

پانچواں: صفحہ نمبر

چنانچہ ، ایک رسالے کے مضمون کا حوالہ یوں ہوگا:۔

اسلم فرخی : ''بادیہ پیمائے آرزو''؛ مضمون مشمولہ: سہ ماہی ''فنون''، ۴۵۔اے ، مزنگ روڈ، لاہور ؛ ص:۴۸۔

رابطہ

سرسید نے انگریزی کی علامت 'کولن' (Colon) کیلئے مترادف لفظ: ''وقفہ'' تجویز کیا تھا؛ ۱۹۲۳ء کی کمیٹی نے: ''نیم وقفہ'' ؛ پروفیسر نعیم الرحمٰن نے: ''دو نقطہ''۔ لیکن، مولوی عبدالحق نے ''رابطہ'' تجویز کیا، جسے 'ترقی اردو بورڈ، بھارت' نے بھی اختیار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو میں ''رابطے'' کی اصطلاح انگریزی لفظ 'کولن' کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔

'کولن' (Colon) کا لفظ یونانی الاصل کولن (Kolen) سے ماخوذ ہے۔ اس کے لغوی معنی یونانی زبان میں کسی شخص کے بازو یا 'جانور کے پر' کے ہوتے ہیں، جس سے توازن برقرار رکھا جاتا ہے۔ ایرک پیٹرج نے اس علامت کو علم عروض کے مطابق تحریر کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرنے یا رقاص کے توازن قائم رکھنے سے تعبیر کیا ہے، اس علامت کے سلسلے میں انہوں نے یہ وضاحت کی ہے:-

> "Etymologically, colon (Greek : Kolen) was orginally a person's or animals's limb; hence, portion of a strophe in choral dancing, hence a division in prosody ; hence, also, a clause — notalbly a principal clause — in a sentence hence, finally, the sign [:] marking the breathing space at the end of such a clause."(1)

اردو اور انگریزی دونوں میں، اس علامت کے لیے اوپر نیچے دو گول نقطے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ایک عین لائن کے اوپر اور دوسرا اس سے ذرا اور اوپر، یوں:-

" : "

ٹھہراؤ کی یہ علامت ''وقفے'' سے زیادہ دیر تک دو طرفہ توازن کے لیے ٹھہراؤ کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس علامت میں لفظوں اور جملوں میں دو طرفہ توازن کی عمدہ عکاسی نظر آتی ہے۔

بیسویں صدی کی دوسری دہائی تک یہ علامت انگریزی میں بھی صرف ایک آدھ جگہ استعمال کی جاتی تھی۔ (۲) بعد ازاں، اس کے مواقع استعمال میں اضافہ ہوتا رہا ، اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا — مولوی عبدالحق نے اس کے چند مواقع استعمال پر روشنی ڈالی ہے ، جبکہ، انگریزی میں اس کے بہت سی مواقع بیان کیے گئے ہیں۔ اردو میں ان ماخذ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف اتنے ہی مواقع کی وضاحت کی جا رہی ہے، اردو کے جملے جن کے آسانی متحمل ہو سکتے ہیں۔

استعمال کے مواقع:

(۱) عبارت میں ضرب المثل یا معروف قول سے پہلے یہ علامت استعمال کی جاتی ہے، مثلاً:-

- آپ کی تو وہی مثل ہے: کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔
- تصوف کا سرکہ آرا اصول ہے: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔
- آپ کا مزاج تو اس قول کے مصداق ہے: گھڑی میں اولیاء، گھڑی میں بھوت — آپ سے کون بات کرے ؟!
- سچ ہے: گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔
- آیئے، جلد آیئے: خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے، دیوانے دو۔

(۲) ایسے دو متماثل یا متضاد جملوں کے درمیان رابطہ کی علامت لگائی جائے گی، جو مل کر ایک خیال کو ظاہر کریں۔ مثلاً:-

(الف) جہاں چاہ: وہاں راہ۔ (متماثل)

(ب) آپ کاج: مہا کاج۔ (متماثل)

(ج) من چاہے: منڈیا ہلائے۔ (متضاد)

(د) رام رام جپنا: پرایا مال اپنا۔ (متضاد)

نوٹ: یہاں 'وقفے' اور 'رابطے' کے فرق کو ملحوظِ خاطر رکھیے — رابطے کا ٹھہراؤ، وقفے کے ٹھہراؤ سے زیادہ ہے۔ یہ جملہ پیشِ نظر رہے:-
''انسان کو بعضے کاموں کی قدرت ہے، بعضوں کی نہیں: وہ چل سکتا ہے؛ دوڑ سکتا ہے؛ مگر اڑ نہیں سکتا۔''(۳)

(۳) توجیہی یا تردیدی جملوں میں حرفِ توجیہہ یا حرفِ تردید کو حذف کر کے یہ علامت لگائی جاتی ہے، مثلاً:-
(الف) ادھار لینے سے بچنا چاہیے: ادھار محبت کی قینچی ہے۔
(ب) وہ شادی کرنا تو چاہتا ہے: کرے گا نہیں۔
پہلے جملہ میں علامتِ رابطہ ''کیونکہ'' کی جگہ ہے — اور — دوسرے جملے میں ''لیکن'' کی جگہ۔

(۴) دو ہم مرتبہ جملوں کے درمیان رابطے کی علامت لگائی جاتی ہے، مثلاً:-

کیا خوب سودا نقد ہے : اس ہاتھ دے ، اس ہاتھ لے۔

(۵) کہہ مکرینوں یا ہیئتِ مستزاد میں رابطے کی علامت استعمال کی جائے گی، مثلاً:-

گوشت کیوں نہ کھایا ؟ ڈوم کیوں نہ گایا ؟ : گلا نہ تھا۔

سموسہ کیوں نہ کھایا ؟ جوتا کیوں نہ پہنا ؟ : تلا نہ تھا۔

مستزاد کی مثال:-

میں نے جو کہا ، ہوں میں ترا عاشقِ شیدا : اے کانِ ملاحت!

فرمانے لگے ہنس کے ، سنو! اور تماشا : یہ شکل یہ صورت!

کعبے کا کروں طواف ، کہ بت خانے کو جاؤں : کیا حکم ہے مجھ کو ؟

ارشاد مرے حق میں بھی کچھ ہووے گا ، آیا ؟ : اے پیرِ طریقت! (سید انشاء)

مومن کی یہ رباعی مستزاد کے ساتھ یوں لکھی جائے گی:-

مومنؔ ، دل سا مکان جو برباد کیا : مانندِ حباب۔

ان سنگ دلوں کو دے کے کیا خاک لیا : جز رنج و عذاب۔

یعنی وہ مکاں ،کہ تھا خدا کا مسکن : کر نذرِ بتاں۔

برباد کیا اسے ، یہ کیا کام کیا ؟ : اے خانہ خراب ! (۴)

(۶) شعر کے دونوں مصرعے اگر ایک ہی لائن میں لکھے ہوئے ہوں، تو، ان کے درمیان رابطے کی علامت ہوگی:-

دلِ ناداں ! تجھے ہوا کیا ہے؟ : آخر، اس درد کی دوا کیا ہے؟

ہم ہیں مشتاق، اور وہ بیزار : یاالٰہی ! یہ ماجرا کیا ہے؟

غالبؔ کی ایک اور غزل کے چند اشعار علامتوں کے ساتھ دیکھیے:-

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی؟ : میرے دکھ کی دوا کرے کوئی!

کون ہے؟ جو نہیں ہے حاجت مند : کس کی حاجت روا کرے کوئی۔

(۷) ذیلی عنوانات کے بعد رابطے کی علامت لگائی جائے گی——

ہاں! ذیلی عنوان قدرے موٹے حروف میں لکھا جائے گا، مثلاً:-

غزل: یہ صنف اردو میں ہمیشہ سے مقبول رہی ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے------

یاد رہے کہ ان ذیلی عنوانات کے بعد لائن چھوڑ دی جاتی ہے ، جہاں اس کے تحت یا دیا ہوا مواد کافی تفصیلی ہو تا کہ دونوں پلڑوں کے توازن میں مطابقت نظر آئے— اس صورت میں تفصیلیہ اور رابطے کا یہ فرق ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ تفصیلیے میں اس بات کی نشاندہی کی ہوتی ہے یا خود ہو رہی ہوتی ہے کہ تفصیلات نیچے دی گئی ہیں۔ یہاں ایسی نشاندہی تو نہیں ہے تاہم ذیلی عنوان اور اس کے تحت تفصیلی مواد میں توازن مقصود ہے۔

(۸) مکالموں میں قائل اور اس کے قول کے درمیان رابطے کی علامات لگائی جاتی ہے ، ذیل میں چند جملے دیکھیے:۔

حامد: (محمود سے) کہو یار ! تمہارے پرچے کیسے ہوئے؟

محمود: بس ٹھیک ہی ہو گئے ہیں۔

حامد: ' بس ٹھیک ہی' کا کیا مطلب ؟ اچھے نہیں ہوئے ؟ !

محمود: انگریزی کا تو اچھا ہو گیا ، البتہ ، ریاضی کا اچھا نہیں ہوا۔

(۹) لفظ اور معنی کے درمیان رابطے کی علامت لگائی جاتی ہے ، مثلاً:۔

ارض : زمین ، سما : آسمان

بحر : سمندر ، نجم : ستارہ

(۱۰) ایک ہی لائن میں کوئی تفصیل دی جارہی ہو، تو، تفصیل سے قبل یہ علامت استعمال کی جائے گی، مثلاً:۔
شبلی کی کتب: ''الفاروق'' ، ''المامون'' ، ''سیرت النعمان'' سوانح نگاری کے فن میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

- '' وادین '' عربی کے تثنیہ کا صیغہ ہے یعنی : ''دو واؤ''۔

(۱۱) مولوی عبدالحق نے تفصیلیے کے محل استعمال میں لکھا ہے:۔

''کسی جملے کے ساتھ اجزاء کا اعادہ کرتے وقت یہ علامت: 'حاصل کلام یہ ہے' یا 'مختصر یہ ہے'، یا 'غرض یہ کہ' کا کام دیتی ہے۔''(۵)

یہ محل استعمال، درحقیقت، تفصیلیے کا نہیں' رابطے ' کا ہے، مثال یہ ہے:۔

''سورج بادلوں سے نکل آیا تھا؛ گھاس پر شبنم کے قطرے ایسے معلوم ہوتے تھے، گویا، سبز مخمل کے فرش میں ستارے جڑے ہوں؛ دھوپ نکھری ہوئی تھی؛ پہاڑوں کا رنگ بھی دُھل کر نیلے امبر کا

سا ہو گیا تھا : ' منظر کیا تھا ، جنت کا سماں تھا !۔ "

اس تمام منظر کا ایک جملے میں اکہرے واوین میں ذکر راقم کی تحریف ہے، تا کہ بات زیادہ واضح ہو جائے۔

(۱۲) کسی شخصیت اور اس کے بیان کے درمیان رابطے کی علامت استعمال کی جاتی ہے، اخبارت میں بیان کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے، مثلاً :-

- "پنجاب میں پرائمری تعلیم لازمی قرار دے دی جائے گی": وزیر اعلیٰ۔
- "ملک کی حفاظت دینی فریضہ ہے۔" : امامِ کعبہ۔

(۱۳) ایک حقیقت اور اس کی وضاحت کے درمیان رابطہ استعمال ہوتا ہے، ایسا عموماً تفصیلی عنوانات میں کیا جاتا ہے، مثلاً :-

تجاوزات کی بھرمار : سڑکوں پر چلنا دوبھر ہو گیا۔

باب ہشتم 5

تفصیلیہ

تفصیلیہ: انگریزی کی دو علامتوں کا مرکب ہے، یعنی کولن (Colon) اور ڈیش (dash)۔ کولن کے نقطوں کے درمیان انگریزی میں دائیں طرف ایک ڈیش، ایسے:۔

______ " :- " ______

لیکن اردو کے دائیں سے بائیں لکھے جانے کے سبب اردو میں ڈیش (خط) کا رخ بائیں طرف ہوتا ہے، ایسے:۔

______ " -: " ______

انگریزی میں اس علامت کا استعمال کم کم ہی نظر آتا ہے۔ اردو میں ۱۹۲۳ء میں قائم کردہ کمیٹی نے پہلی مرتبہ اُردو میں اس کے استعمال کی سفارش کی۔ بعدازاں، مولوی عبدالحق نے اس علامت کے لیے اردو لفظ '' تفصیلیہ'' تجویز کیا، جو لفظی معنویت کے سبب اپنی مقصدیت سے بہت قریب ہے۔

رابطے کے مقابلے میں تفصیلیے کی انفرادیت:

تفصیلیہ، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، دو مختلف علامت کا مرکب ہے۔ انگریزی میں تفصیلیہ کی جگہ عموماً رابطے کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ تاہم انگریزی کی بعض کتب (۱) میں اسے مرکب علامتوں میں شمار کیا گیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد تفصیل اس کی نچلی لائن سے شروع کی جارہی ہے ، تا کہ ، بات نمایاں اور واضح ہو جائے ، جو ، ان علامتوں کا اصل مقصد ہے — تفصیلیے اور رابطہ کا بنیادی فرق یہی ہے کہ رابطے کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے ، جب کوئی تفصیل عبارت کی روانی کو قائم رکھتے ہوئے ایک ہی لائن میں دی گئی ہو — جبکہ — تفصیلے کی علامت میں وضاحت شدہ بات کو زیادہ نمایاں کرنے کیلئے علامت کے بعد ایک سطر چھوڑ کر دوسری لائن سے اس کی تفصیل دی جاتی ہے۔

ٹائپ کے فن کے ایک ماہر جمال الدین احمد نے اس فرق کو بخوبی واضح کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"Use the colon to indicate a quotation or list of itmes, if they are written in the same line. When the quotation or list begins with a fresh line, the colon should be followed by a dash."(2)

ایرک پیٹرج نے مرکب علامتوں کے ضمن میں یہ لکھا ہے:-

"Colon dash : The device is as simple as this :-
A stock to hold it by, a blade for offensive use, a sheathe to protect
— and perhaps to conceal — it.
The inventory set forth the following goods:-
One easy chair, four table chairs, two deck chairs -------"(3)

اردو میں رابطے اور تفصیلیے کے استعمال میں مذکورہ باریک فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا، اسی لیے مولوی عبدالحق نے تفصیلیے کی مثال دیتے ہوئے، اس علامت کو ایک ہی لائن میں لکھا ہے۔انہوں نے مثال یوں دی ہے:-

''ہندوستان کے بڑے شہر یہ ہیں:- (۱) بمبئ، (۲) کلکتہ، (۳) حیدر آباد (۴) مدراس، (۴)______

غالباً، علامت کے غلط استعمال کے تاثر کے نتیجے میں رشید حسن خاں نے اپنی تصنیف'' اردو املا '' میں مولوی عبدالحق کی مثال دے کر اس علامت کے محل استعمال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:-

''______ یہ علامت بھی استعمال عام میں جگہ نہیں پا سکی۔مولوی صاحب مرحوم نے مثلاً ایک یہ جملہ بھی لکھا ہے: 'ہندوستان کے بڑے شہر یہ ہیں:- (۱) بمبئ (۲) کلکتہ (۳) حیدر آباد (۴) مدراس ______' مگر یہ فائدہ اب رابطے ہی سے اٹھایا جاتا ہے ________ ان دونوں علامتوں میں معمولی سا فرق ہے، اور ، اس فرق کو بہ آسانی نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔''(۵)

حقیقت یہ ہے کہ دونوں علامتوں کے استعمال میں جس فرق کو رشید حسن خاں' معمولی فرق' کہہ رہے ہیں، وہ معمولی نہیں ہے۔معمولی اس لیے نظر آ رہا ہے کہ مولوی عبدالحق نے اس علامت کو تفصیلیے کی بجائے رابطے کی جگہ استعمال کیا ہے۔دونوں علامتوں کے محل استعمال کے فرق کو واضح کرنے کے بعد اب اس علامت کے استعمال کی تفصیلی امثال پیش کی جا رہی ہیں۔

استعمال کے مواقع:۔

اس علامت کے استعمال کا یہی ایک موقع ہے، جس کی وضاحت اوپر دی جا چکی ہے، یعنی: جہاں کوئی تفصیل دی جا رہی ہو— ترتیب سے کچھ چیزوں کی ؛ علاوہ ازیں، کوئی اقتباس ، کسی چیز کی تعریف(definition) بیان کرنی ہو تو تفصیلیے کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔اس علامت سے قبل، عام طور پر : ''حسب ذیل ہے ''، ''مثلاً ''، ''

یوں '' ، '' ایسے '' وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، جن سے نیچے دی جانے والی تفصیل کی نشاندہی مقصود ہوتی ہے۔اس علامت کے استعمال کی مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کوئی اقتباس دیا جائے، مثلاً:۔
غالبؔ، اپنے شاگرد مجروحؔ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

''واہ واسید صاحب! تم تو بڑی عبارت آرائیاں کرنے لگے۔کئی دن سے تمہارے جواب کی فکر میں ہوں۔''
ایک اور خط میں اپنی پنشن کے قضیے کے سلسلے میں چوہدری عبد الغفور کے نام لکھتے ہیں:۔
''میں پانچ برس کا تھا کہ میرا باپ مرا ، نو برس کا تھا کہ چچا مرا۔اس کی جاگیر کے عوض، میری اور میرے شرکائے حقیقی کے واسطے، شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں ، دس ہزار روپے سال مقرر ہوئے۔اس میں خاص میری ذات کا حصہ — ساڑھے سات سو روپے سال!؟— میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر کیا۔۔۔۔۔۔''

(۲) کسی خاص علم یا اصطلاح کی تعریف (Definition) بیان کی جائے، تو ، ان الفاظ سے پہلے یہ علامت استعمال کی جائے گی۔مثلاً لکھا جائے کہ'' معاشیات '' کی تعریف رابنز کے الفاظ میں یہ ہے:۔
''معاشیات ایک ایسا علم ہے ، جس میں انسانوں کے ان روّیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے ، جو کم سے کم وسائل میں زیادہ سے زیادہ مقاصد کے حصول کے لیے وہ اختیار کرتے ہیں — اور ان کے لیے وہ متبادل طریقوں سے کام لیتے ہیں۔''

(۳) کسی ترتیب وار تفصیل کے لیے یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔مثلاً مولوی عبدالحق کی دی ہوئی مذکورہ بالا مثال کو یوں لکھنا چاہیے تھا:۔

''ہندوستان کے بڑے شہر یہ ہیں:۔
(۱) بمبئی،
(۲) کلکتہ،
(۳) حیدر آباد،
(۴) مدراس۔۔۔۔۔۔۔۔''

ایک اور مثال:۔

علامہ اقبال کے اردو شاعری کے مجموعہ ہائے کلام یہ ہیں:-

(۱) ''بانگ درا''،

(۲) ''بال جبریل''،

(۳) ''ضرب کلیم''۔

اقبال کے تحقیقی مقالے کا عنوان یہ ہے:-

"Development of Metaphysics in Persia"

باب: ہشتم 6

واوین

سرسید نے اردو میں انگریزی علامت: انورٹڈ کاماز ، کے لیے اردو مترادف: ''علامات اقتباس'' تجویز کیا تھا۔ بعدازاں، پروفیسر نعیم الرحمٰن نے: ''قامات معکوسہ''۔ فارسی میں اسے'' ممیزہ'' کہتے ہیں۔۱۹۲۳ء میں مجوزہ کمیٹی نے اس کے لیے'' واوین'' تجویز کیا۔ پھر، مولوی عبدالحق اور ترقی اردو بورڈ، بھارت ، نے بھی اسی سے اتفاق کیا — حقیقت یہ ہے کہ ' واوین ' کامختصر اور جامع لفظ ' انورٹڈ کاماز ' کا بہترین مترادف ہے۔

'' واوین ''— جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، عربی زبان کا تثنیہ کا صیغہ ہے، یعنی: ''دو واؤ''۔ اسے انگریزی میں انورٹڈ کاماز (Inverted Commas) کہا جاتا ہے۔ 'کاما' کا مترادف'' سکتہ'' ہے ، لیکن یہاں علامت کی شکل کے پیش نظر (اردو اور عربی 'واؤ' کی مشابہت کے سبب)''واوین'' کہا گیا ہے۔ انگریزی لفظ: Inverted کے معنی ہیں: '' متخالف ترتیب ''، یعنی لفظ یا عبارت کے دائیں طرف اگر دو سیدھی' واؤ ' ہیں، تو بائیں طرف دو الٹی ' واؤ '، لفظ یا عبارت سے قدرے اوپر ،ایسے:-

'' ...... ''

اس علامت کا استعمال اردو تحریروں کے ابہام کو دور کرنے کے سلسلے میں بہت اہمیت کا حامل ہے ، لیکن ، ہمارے ماہرین قواعد نے اس کے محدود مواقع استعمال کی نشاندہی کی ہے —جب کہ— ضرورت اس امر کی ہے کہ اس علامت کے وسیع تر استعمال کا سیر حاصل جائزہ لیا جائے۔

استعمال کے مواقع:

'' واوین '' کے استعمال کے مواقع حسب ذیل ہیں:-

(ا) کسی کا قول ، ہو بہو اسی کے الفاظ میں نقل کرنے کے لیے 'واوین' کا استعمال کیا جائے گا، مثلاً:-

۲۱؍نومبر ۱۹۴۶ءکو فرنٹیئر مسلم لیگ کے اجلاس میں قائداعظم نے کہا:-

'' ہمارا دین، ہماری تہذیب اور ہمارے اسلامی تصورات، وہ اصل طاقت ہیں، جو ہمیں آزادی حاصل کرنے کے لیے متحرک کرتے ہیں۔''

(۲) ناولوں اور افسانوں میں بہت سا حصہ مکالموں پر مشتمل ہوتا ہے، وہاں بھی گفتگو اور مکالموں میں اس علامت کا اہتمام تحریر کی معنویت کو اجاگر کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مثلاً، ناول ''آنگن'' کا یہ مکالمہ دیکھیے :-

''تم لاہور جا کر کیا کرو گے؟ — کیا وہاں ملازمت کرنے کا ارادہ ہے؟ ''بڑی چچی نے جمیل بھیا کی طرف دیکھا ''وہاں 'مسلم لیگ' کا ایک بڑا زبردست جلسہ ہے، ذرا اس میں شریک ہوں گا۔'' جمیل بھیا جانے کیا سوچتے ہوئے بولے۔

''کیا کہا ، جلسہ!؟'' بڑی چچی اپنی جگہ سے اچھل پڑیں ''ارے ! تو بھی؟''

'' آگ کا دریا '' کا ایک مختصر مکالمہ دیکھیے :-

''چار بج رہے ہوں گے—'' گھمبیر ماما نے پھاٹک کے سائے کو زمین پر دیکھ کر وقت کا اندازہ لگاتے ہوئے اظہار خیال کیا۔ 'اب واپس چلنا چاہیے۔'

'' چلو ، لڑکیو ! '' کانتی دیدی نے آواز لگائی۔

(۳) ڈراموں کا جہاں تک تعلق ہے، وہ تو سراسر مکالموں ہی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مکالموں سے علیحدہ جو ہدایات اور وضاحتیں دی جاتی ہیں وہ قوسین میں ہوتی ہیں۔ وہ کردار جن کے درمیان گفتگو ہوتی ہے، اسے رابطے کی علامت سے ممیز کیا جاتا ہے، وہاں ہر قول پر 'واوین' لگانا سراسر تکلف ہے، لہٰذا وہاں واوین کے بغیر ہی مکالمے قلمبند کیے جاتے ہیں ، مثلاً امتیاز علی تاج کے ڈرامے: ''انارکلی '' کا یہ مکالمہ:-

مہارانی: انارکلی بیمار ہے ، مہاراج ! اور ، اس کی ماں چاہتی ہے، آپ کی اجازت ہو تو، اسے تھوڑے عرصے کے لیے تبدیلی آب و ہوا کے لیے کسی دوسرے شہر بھیج دیا جائے؟

اکبر: (نیم دراز ہوتے ہوئے) حکیم نے اسے دیکھا ؟

مہارانی: کچھ تشخیص نہ کر سکا۔ لیکن ، خود انارکلی سمجھتی ہے آب و ہوا کی تبدیلی اس کے لیے مفید ہوگی۔

اکبر: (بے پروائی سے) تم کو اعتراض نہیں، تو، اس کو اجازت ہے۔

(۴) کسی کتاب کا اقتباس ، کسی تحقیقی حوالے یا اور مقصد کے لیے، نقل کیا جائے ، تو، اس عبارت کے دونوں طرف یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی کئی مثالیں تفصیلے کے ضمن میں دی جا چکی ہیں، تاہم فوری حوالے کے لیے ایک مثال یہاں بھی دی جا رہی ہے:-

بحوالہ سیاق و سباق مندرجہ ذیل اقتباس کی تشریح کیجیے:-

''الغرض، جب پچھلے انہی مضامین کو، جو، اگلے باندھ گئے ہیں، اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں، تو، ان کو مجبوراً نیچرل شاعری سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اور میل کا بیل بنانا پڑتا ہے۔''

(۵) تحریر میں جب کسی لفظ کو نمایاں کرنا یا اس پر زور دینا مقصود ہو، تو، اس کے اطراف میں 'واوین' کی علامت لگائی جاتی ہے، مثلاً :-

علامہ اقبال کو ''سر'' کا خطاب ملا، تو، انہوں نے اس شرط پر قبول کیا کہ ان کے استاد میر حسن کو بھی اعزاز دیا جائے۔

ایک اور مثال:-

اقبال سے پہلے لفظ: ''خودی'' غرور اور تکبر کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا، اقبال نے اسے نئے معنی دے کر اپنے فکر و فلسفہ کا محور بنا دیا۔

(۶) تحریر میں اصطلاحات کو نمایاں اور دیگر عبارت سے ممیز کرنے کے لیے اس کے دونوں طرف 'واوین' لگا دیئے جاتے ہیں۔اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اصطلاح کے حروف یا الفاظ اپنے اطراف کے الفاظ کے ساتھ مل کر ابہام پیدا نہیں کرتے، اور اصطلاح کے مکمل الفاظ کی تعیین اور تحدید ہو جاتی ہے۔ مثلاً، یہ عبارت دیکھیے:-

کسی چیز کے متواتر استعمال کرتے چلے جانے سے اس کی افادیت گھٹتی چلی جاتی ہے — بلکہ، اس کے بعد منفی شروع ہو جاتی ہے۔ معاشیات کی زبان میں اسے ''قانون تقلیل افادۂ مختتم'' کہا جاتا ہے۔

ایک اور مثال:-

تجارتی ہوائیں بخارات سے محروم ہوتی ہیں۔ وہ جوں جوں گرم سے گرم تر علاقوں کی طرف چلتی جاتی ہیں، ان کا درجۂ حرارت بڑھتا ہے اور جذب کی قوت بڑھتی ہے۔ یہ ہوائیں بارش برسانے کی بجائے ریگستانوں کے پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں، اسی لیے، انہیں ''صحرا ساز ہوائیں'' (Dersert maker winds) کہا جاتا ہے۔ 'منطقہ حارہ' کے بڑے بڑے ریگستان انہی ہواؤں کا نتیجہ ہیں۔

(۷) کسی لفظ یا ترکیب کو طنزاً یا مزاحاً اس کے برعکس معنوں میں استعمال کیا جائے، تو اس کے اردگرد 'واوین' لگا

دیئے جاتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ یہ لفظ اپنے اصل معنوں میں استعمال نہیں ہوا، مثلاً:۔

(الف) حکیم صاحب کی ''مسیحائی''، سبحان اللہ! یہ سارا قبرستان انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔

(ب) جی ہاں، آپ تو ایک ''معمولی'' زمیندار ہیں، صرف چار ہزار ایکڑ ہی کے تو مالک ہیں۔

(ج) شبلی نعمانی جہانگیر کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

جہانگیر ''حکمت'' اور ''پالیٹکس'' کے فلسفے سے قطعاً ناآشنا تھا۔

(یہاں ''حکمت'' اور ''پالیٹکس'' واوین میں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ بالترتیب ''منافقت'' اور ''جھوٹ'' کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔)

(د) غلیلوں اور پتھروں سے ''مسلح'' فلسطینیوں پر راکٹوں اور بموں سے حملوں کی مذمت کی جانی چاہیے۔

یہاں ''مسلح'' پر غور کیجئے، ''نہتے'' کے معنوں میں ہے۔

(۸) کسی شعر، مصرعے یا معروف قول میں کوئی لفظی تحریف کی جائے، تو، اس لفظ کے اطراف میں یہ علامت لگائی جاتی ہے۔ تاکہ پڑھنے والے کو غلط فہمی نہ ہو کہ شاید اصل شعر میں یہی لفظ ہے۔ مثلاً، پطرس بخاری نے اپنے مشہور مضمون: ''کتے'' میں غالب کا شعر یوں لکھا ہے:۔

کہوں، کس سے میں کہ کیا ہے؟ ''سگ رہ'' بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا —

مذکورہ شعر کے پہلے مصرعے میں، کتوں کے حوالے سے، مزاح پیدا کرنے کے لیے، غالبؔ کی اصل ترکیب: ''شب غم'' کی جگہ اسی کے وزن پر ''سگ رہ'' کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ غالب کا اصل مصرع یوں ہے:

ع

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے؟ شب غم، بری بلا ہے

چنانچہ اگر ''سگ رہ'' کی ترکیب پر واوین نہ ہوں، تو ایک عام آدمی کے لیے غلط فہمی کا احتمال ہے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ شاید غالبؔ کا اصل مصرع یوں ہی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے واوین کا استعمال ضروری ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کے تیسری دہائی میں ہندوستان (بعد ازاں، پاکستان) سے شائع ہونے والے معروف ادبی ماہنامے ''ساقی'' کے ٹائٹل پر علامہ اقبال کا ایک شعر یوں لکھا جاتا رہا:۔

ے

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و کرم اور

یہ شعر ''بانگ درا'' کی نظم ''وطنیت'' کا پہلا شعر ہے۔ اصل شعر کے دوسرے مصرعے میں ''لطف وکرم'' کی جگہ ''لطف وستم'' ہے، یعنی:

ع

ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور

لیکن ٹائیٹل پر ''ستم'' کی بجائے ''کرم'' واوین کے بغیر ہی چھپتا رہا۔ یقیناً بہت سے قارئین اسے اصل ہی سمجھتے رہے ہوں گے۔ ''واوین'' کی علامت استعمال کی جاتی تو اس غلط فہمی کی گنجائش نہ رہتی۔

(۹) کسی مضمون یا مقالے کا عنوان؛ کتاب، رسالے یا اخبار کا نام اپنی اصل جگہ پر ہو، تو، واوین کے استعمال کی ضرورت نہیں۔ لیکن، کسی عبارت یا تحریر میں حوالے کے طور پر ان کا تذکرہ آئے تو اُس وقت ان کے عنوانات کو واوین میں لکھا جائے گا۔ بعض اوقات، بغیر علامت کے یہ عنوانات پڑھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ لفظ یا کئی الفاظ پر مشتمل ترکیب کسی کتاب ، رسالے یا اخبار کا نام ہے یا تحریر کا جزو ہے، تاوقتیکہ واوین نہ لگائے جائیں ، مثلاً یوں لکھا جائے:۔

مغربی پاکستان میں خبریں قابل اعتبار ہوتی ہیں۔

''مغربی پاکستان''— دراصل لاہور سے چھپنے والے ایک اخبار کا نام ہے— مذکورہ عبارت میں مغربی پاکستان کے علاقے کا مفہوم بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے مواقع پر واوین کی علامت ابہام کو دور کرتی ہے۔ مزید مثالیں بالترتیب ذیل میں دی جا رہی ہیں:۔

(الف) مضمون کا عنوان بطور حوالے کے دیا جائے تو اس کی مثال حسب ذیل ہے:۔

جب پہلی مرتبہ پطرس بخاری کا مضمون ''کتے'' پڑھا، تو، ایسا محسوس ہوا کہ لکھنے والے نے اس مضمون سے جو درجہ حاصل کر لیا، وہ بہتوں کو تمام عمر نصیب نہ ہوگا۔

(ب) مقالے کے عنوان کی مثال:۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی مرحوم کے پی ایچ۔ ڈی۔ کے مقالے کا عنوان تھا: ''ڈپٹی نذیر احمد ـــ احوال و آثار''۔

(ج) کتاب کا عنوان:۔
''مقدمہ شعر و شاعری'' میں حالی نے اردو شاعری سے متعلق مباحث و مسائل کو بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے۔

(د) رسالے کا نام:۔
ماہنامہ ''ساقی'' کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۳۰ء میں دہلی سے شائع ہوا۔

(ر) اخبارات:۔
یہ خبر میں نے ملتان کے ''نوائے وقت'' میں پڑھی۔
''جنگ'' کئی بڑے شہروں سے بیک وقت شائع ہوتا ہے۔

(۷) عرفی نام کا جب غیر معروف کے طور پر تذکرہ کیا جائے، تو، اس کے ساتھ 'واوین' کا استعمال کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ عرف، خطاب یا لقب اتنا معروف ہو جائے کہ اس سے کوئی خاص شخص ہی مراد ہو تو، پھر اس کے لیے واوین کی ضرورت نہیں ـــ مثلاً، غیر معروف کے لیے واوین یوں استعمال ہوں گے:۔

(الف) لوگ تو انہیں مطیع اللہ کے نام سے جانتے ہیں، لیکن گھر والے اور دوست احباب انہیں ''موتی'' کہتے تھے۔

(ب) رنگ ان کا کالا تھا، قد چھوٹا، ذہنی طور پر کچھ کھسکے ہوئے؛ لڑکے بالے جونہی انہیں دیکھتے تو دور ہی سے آواز لگاتے: ''کالی بکری کا دودھ!'' ـــ اور وہ غصے میں اسی وزن اور لمبی لے میں گالی دیتے اور پتھر لے کر ان کے پیچھے بھاگتے ـــ محلے میں خوب تماشا رہتا۔

یوں، پیار کے نام ہوں یا طنزیہ اور مزاحیہ، غیر معروف ہونے کے سبب ان کے گرد واوین کی علامت استعمال کی جائے گی۔ ورنہ، معروف خطابات یا القاب ہوں یا عرف بھی زیادہ مشہور ہو جائے، تو وہاں واوین کی ضرورت نہیں، مثلاً:۔

شہید ملت خان لیاقت علی خان، قائد اعظم کے دست راست تھے۔

(۸) عرفی نام جب تحریر میں پہلی مرتبہ آئے تو اس کے گرد یہ علامت لگا دی جائے، لیکن ، اگر بار بار آئے تو ہر مرتبہ ان پر علامت لگانے کی ضرورت نہیں، مثلاً:-

''فسانہ آزاد'' کے مصنف پنڈت رتن ناتھ سرشار کے تخلیق کردہ معروف کردار ''خوجی'' کو اس کے انگریزی ادب کے ہم مزاج کردار ''ڈان کوئیکوٹ'' سے بڑی مماثلت ہے۔ خوجی بھی ڈان کی طرح ہونق ہے؛ سادہ اور بیوقوف ہے؛ ہیئت میں مضحکہ خیز ہے — بار بار پٹتا ہے اور ہر بار یہی کہتا نظر آتا ہے: ''اب کے مار کے دیکھ !''

باب: ہشتم 7

اکہرے واوین

اکہرے واوین سے مراد ، کسی لفظ یا عبارت کے قدرے اوپر دائیں طرف ایک سیدھی ' واؤ ' ، اور بائیں طرف الٹی ' واؤ ' ، ایسے:-

' ـــــ '

استعمال کا موقع:

اس علامت کے استعمال کا صرف ایک ہی موقع ہے، یعنی جہاں دوہرے واوین کے درمیان کسی اور کا قول یا اقتباس آجائے ، تو ، وہ اکہرے واوین میں آئے گا۔ بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں:-

''حوالہ اندر حوالہ، یا اقتباس اندر اقتباس کی صورت ہو، تو، اندرونی اقتباس کیلئے اکہرے واوین استعمال کرنے چاہیں۔''(۱)

اکہرے واوین کی مثال کے لیے دیکھئے ''ساقی'' کے مدیر شاہد احمد دہلوی کے سلسلے میں ان کے بھائی منذر احمد کا ایک مضمون ، لکھتے ہیں:-

''آزادی سے پہلے ہم بھائیوں کے اخراجات مشترکہ تھے۔ میں چونکہ بڑا تھا، حساب کتاب میرے ہاتھ میں تھا ------- میں نے شاہد سے کہا، 'میاں! یہ زائد خرچہ کیسے پورا ہوگا؟' کہنے لگے: 'میرے ترکے میں لگا دو۔' نیچی نگاہ سے بولے، 'تم بھی شکار میں خرچ کرتے ہو؟! وہ تمہارا شوق ہے، یہ میرا شوق ہے' ------- پھر، میری ہمت نہ ہوئی کہ شاہد سے کچھ کہوں۔''(۲)

'' اردو املا '' کے مصنف رشید حسن خاں نے تحریر کیا:-

''یہ علامت استعمالِ عام میں جگہ نہ پا سکی۔ مولوی صاحب نے مثالاً یہ جملہ لکھا ہے: 'ہندوستان کے بڑے شہر یہ ہیں:- (۱) بمبئی (۲) کلکتہ (۳) --' مگر یہ فائدہ اب رابطے سے اٹھایا جارہا ہے۔''(۳)

رشید حسن خاں کے اقتباس میں مولوی عبدالحق کا ایک اور اقتباس، ظاہر ہے، اکہری واوین میں آئے گا۔

مقرر نے کام کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا، ''قائداعظم نے فرمایا تھا، 'کام، کام اور بس کام' — ہمیں چاہیے کہ ہم قائداعظم کے اس اصول کو اپنائیں۔''

باب: ہشتم 8

فجائیہ/ندائیہ

فجائیہ یا ندائیہ کو انگریزی میں 'سائن آف ایکس کلے میشن'، (Sign of exclamation) کہتے ہیں۔
سائن کی جگہ نوٹ (Note) یا پوائنٹ (Point) کے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں — اس کے لیے، پہلے پہل، سرسید نے '' علامتِ تعجب '' کی اصطلاح وضع کی تھی۔ ۱۹۲۳ء کی کمیٹی نے '' ندائیہ '' تجویز کیا۔ لیکن، ' ندا ' کے لفظ میں اس علامت کے استعمال کا صرف ایک پہلو ہی سامنے آتا ہے ، یعنی: آواز دینا، مخاطب کرنا — جب کہ — اس علامت کا استعمال تو زیادہ تر جذبات و احساسات کے اظہار کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ غالباً ، یہی وجہ ہے کہ مولوی عبدالحق نے اس علامت کے لیے لفظ 'ندائیہ' کے ساتھ '' فجائیہ '' بھی تجویز کیا —— '' فجا '' عربی کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں : اچانک ، یکایک، ناگاہ —— اچانک پن کی یہ کیفیت دراصل جذبات کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ لہٰذا ، فجائیہ کا لفظ اس علامت کے جذبہ و احساس کے اظہار کے معنی کا احاطہ کرنے کے لیے وضع کیا گیا، لیکن ظاہر ہے یہ بھی ایک پہلو ہے۔ کوئی ایسی اصطلاح اب تک سامنے نہیں آئی جو خطاب اور جذبے دونوں کی عکاسی کرے۔ اردو میں '' استعجابیہ '' اور فارسی میں '' تعجب '' کے الفاظ بھی اس کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، وہ بھی جذبے کا صرف ایک ہی رخ دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت 'ندائیہ' اور 'فجائیہ' دونوں الفاظ اس علامت کے لیے مروج ہیں۔ خطاب کا پہلو ہو تو : '' ندائیہ ''، جذبے کا پہلو غالب ہو ، تو ، '' فجائیہ ''۔

بہرحال ، باریکیوں میں پڑے بغیر یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔
ٹھہراؤ کی اس علامت کے لیے لائن کے اوپر ایک عمودی لکیر (عام تحریر میں چار یا پانچ سنٹی میٹر کے بقدر) اور اس کے نیچے ایک نقطہ ، ایسے:-

'' ! ''

انگریزی میں بھی یہ علامت اسی طرح ہے۔

استعمال کے مواقع:

اس علامت کے استعمال کے مواقع حسب ذیل ہیں:-

(۱) یہ علامت ایسے موقعوں پر استعمال کی جاتی ہے ، جہاں کسی سے خطاب کیا جارہا ہو —— اس کے بھی کئی انداز ہیں۔

پہلا انداز:-

کسی کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے:-

☆ اسلم ! ادھر آؤ۔

☆ میرے عزیز ہم وطنو !

☆ سنو تو سہی !

☆ معزز خواتین و حضرات !

☆ میرے دوستو !

☆ السلام علیکم !

دوسرا انداز:

اظہار حکم کے لیے:-

☆ خاموش !

☆ قطار بناؤ !

☆ نکل جاؤ یہاں سے !

☆ کمرے سے باہر جاؤ اور میرا انتظار کرو!

☆ خبردار ، ہاتھ اٹھالو ، کوئی حرکت نہ کرے !

(اس قسم کے جملے میں پہلی اور دوسری علامت کی جگہ سکتے کی علامت لگائی جا سکتی ہے۔)

تیسرا انداز:

التجا کے لیے:-

☆ اٹھو بھئی !

☆ مان بھی جاؤ !

☆ ایک روپیہ خدا کے نام پر بابا !

☆ خدا کے لیے جلدی کرو !

چوتھا انداز:-

اظہار تنبیہ کے لیے:-

☆ تم دوبارہ آئے تو، اچھا نہیں ہوگا !

☆ پھر کبھی یہ غلطی نہ کرنا !

؎

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل !

زنہار ! اگر تمہیں ہوسِ نائے نوش ہے۔

(نوٹ: تنبیہ کے لیے اگر الگ سے کوئی حرف عبارت میں موجود ہے تو اس کے ساتھ ، ورنہ بیان کے بعد علامت آئے گی۔)

پانچواں انداز:

شہادت یا گواہی کے لیے:-

☆ گواہ رہنا ! میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔

؎

شاہد رہیو تُو، اے شب ہجر!

جھپکی نہیں ہے آنکھ مصحفی کی

(۲) جذبات واحساسات کے اظہار کے موقع پر ''فجائیہ'' کا استعمال کیا جاتا ہے ، مثلاً:-

☆ خدا تمہاری عمر دراز کرے ! (دعا)

☆ پاکستان زندہ باد ! (دعا)

☆ اللہ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے ! (دعا)

☆ کاش! تم اس وقت یہاں ہوتے۔ (تمنا)

☆ آ، میرے چاند ! (محبت)

☆ چل ، نکمے ! (غصہ وحقارت)

یوں پکارے ہیں مجھے، کوچۂ جاناں والے

ادھر آبے، ابے! او کوچہ جاناں والے (حقارت)

☆ لعنت ہو تم پر ! (نفرت)

☆ اوہ ! اب کیا ہوگا۔ (خوف و اندیشہ)

☆ اف ! میرے خدا ، رحم کر دے۔ (تکلیف)

واہ واہ! کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا (خوشی)

☆ ارے ! یہ تم نے کیا کیا ؟ (حیرت، افسوس، تجسس)

☆ ع

وا حسرتا! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ (حسرت)

☆ حیف ! کہتے ہیں ہوا گلزار تاراج خزاں (افسوس)

☆ شاباش ! اور ہمت کرو۔ (تحسین)

☆ یہ تم ہو ، تم نے چوری کی ہے! (تعجب)

☆ الحمدللہ ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ (شکر)

☆ ع

بڑی آفت ہے یہ دنیا، معاذ اللہ! (پناہ)

☆ ع

ہے موجِ بحر عشق ، وہ طوفاں کہ الاماں! (پناہ)

☆ ع

اب جفا سے بھی ہیں محروم اللہ اللہ ! (طنز)

☆ اللہ ! اب مینڈک کو بھی زکام ہوا۔ (طنز)

☆ بس میاں بس ! حد ہو گئی وعدہ خلافی کی۔ (شکوہ)

☆ اللہ رے ! تیری بے نیازی۔ (شکوہ وطنز)

☆ ع

واہ رے شورِ محبت ! خوب ہی چھڑکا نمک (شکوہ و طنز)

☆ سبحان اللہ ! کیا اچھا شعر ہے۔ (تعریف)

باب: ہشتم 9

سوالیہ

سوالیہ کو انگریزی میں کوسچن مارک (Question Mark) یا انٹروگیشن مارک (Interrogation mark) کہا جاتا ہے۔ اردو میں، فارسی کے تتبع میں 'استفہامیہ' بھی کہا گیا، 'علامتِ سوال' بھی، لیکن بالآخر ''سوالیہ'' کا لفظ انگریزی کا مترادف قرار پایا۔ اس کی علامت ایک مڑے ہوئے کنڈے یا درانتی کی سی ہوتی ہے۔ انگریزی میں اس کی گول گہرائی کا رخ بائیں طرف ہوتا ہے، لیکن اردو میں دائیں طرف، ایسے:-

'' ؟ ''

یہ علامت، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ ایک سوال کرنے والے شخص کی تصویری کیفیت کی عکاسی کرتی ہے، اور اس کے نیچے نقطہ ٹھہراؤ کی نشاندہی کرر ہا ہے۔

استعمال کے مواقع:

سوالیہ علامت کے استعمال کا موقع وہ ہے جہاں کوئی سوال کیا جا رہا ہے۔ اس صورت میں اگر حروف استفہامی تنہا بھی آئیں، تو، ان کے ساتھ سوالیہ علامت لگائی جائے گی، مثلاً:-

کیوں ؟

کیا ؟

کیسے ؟

کب ؟

کون ؟ وغیرہ

یہی الفاظ مختصر یا طویل جملوں کے ساتھ آئیں، تو، ان کے آخر میں سوالیہ علامت لگائی جائے گی، مثلاً:-

کون ہے ؟

میں ہوں۔

بھئی ! میں کون ؟

میں، تمہارا دوست اسلم۔

(۲) بعض اوقات، اپنا شک دور کرنے کے لیے، کسی سے سوالیہ انداز میں کوئی بات پوچھی جاتی ہے - ظاہر ہے ایسے موقع پر سوال کی کیفیت تو موجود ہوتی ہے ، جس کے جواب کا انتظار ہوتا ہے۔ ایسے جملوں کے ساتھ سوالیہ علامت آئے گی ، مثلاً :-

تمھیں یقین ہے کہ اسلم نے ہی تمہارا تبادلہ کرایا ہے ؟

(۳) کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ معلومہ حقیقت کو سوال کے انداز میں پوچھا جاتا ہے، ایسے میں جملے کے بعد سوالیہ علامت لگائی جائے گی ، مثلاً :-

☆ آ گئے آپ ؟ بہت دل چاہ رہا تھا ملنے کو۔

☆ آہا ! آؤ آؤ بھئی ، کیسے بھول پڑے آج ؟

☆ آ گئے ؟ میں تو سمجھ رہا تھا اب کبھی نہیں آؤ گے۔

(۴) بعض اوقات ہم اس انداز سے سوال کرتے ہیں کہ اس سے دراصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کے علم میں یہ بات نہیں ہے تو، میں اس کی اطلاع دے رہا ہوں۔ ایسے جملوں کے پہلے حصے میں سوالیہ علامت آئے گی ، مثلاً :-

☆ ارے بھئی ! کچھ سنا تم نے؟ اختر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

(۵) سوالیہ علامت کے استعمال کے ایک موقع کی ممتاز منگلوری نے نشاندہی کی، جس پر عموماً توجہ نہیں دی جاتی ، وہ لکھتے ہیں :-

''بعض اوقات، خبریہ جملے بھی صرف لہجے کے ذریعے سوالیہ بن جاتے ہیں۔ مثلاً : آپ نے کھانا کھا لیا؟ — اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسے سوالیہ جملوں کے آخر میں سوالیہ نشان استعمال کرنے سے عدم توجہی برتی جاتی ہے۔'' (۱)

☆ بخار اتر گیا ؟

☆ مہمان چلے گئے ؟

☆ حیدرآباد آ گیا ؟

یہاں حروف استفہامیہ کی جگہ صرف لہجہ، بظاہر خبر کو سوال بنا رہا ہے۔

(۶) سوالیہ اور فجائیہ علامتوں کا بعض اوقات ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ رموزِ اوقاف کے کثرتِ استعمال کے

بھدے پن سے بچنے کے لیے ایسے میں محتاط روش کی ضرورت ہے، تاہم بسا اوقات دونوں کیفیتیں کسی جملے میں موجود ہوں تو، ایسے میں ان دونوں علامتوں کے طریق استعمال میں یہ اصول اختیار کیا جائے، جس کی طرف پیٹرج نے یوں نشاندہی کی ہے:-

"The sound rule is: use the mark appropriate to questioning or to astonishment, according as the one or the other predominates, where the two are equal, I compromise by writing? ! (both), as in:- Where on earth can he be have gone ? ! " (2)

گویا، سوال کے تاثر کا غلبہ ہو، تو 'سوالیہ' علامت اور جذبے کا غلبہ ہو تو 'فجائیہ' — اور، اگر سوال اور جذبہ دونوں کا تاثر برابر ہو ، تو دونوں علامتیں ہی استعمال کی جائیں گی۔ مثال :۔

نہ معلوم اسے آسمان نگل گیا یا زمین کھا گئی ؟ ! اس کا کہیں پتا نہیں۔

باب ہشتم 10

سکتہ

سر سید سے لے آج تک بیشتر ماہرین لسانیات نے لفظ: ''سکتہ'' کو انگریزی علامت: 'کاما' (Comma) کے مترادف قرار دیا ہے۔ یہ لفظ 'کاما' کی طرح مختصر بھی ہے اور سہل بھی، اور اپنی مقصدیت اور معنویت سے قریب ترین بھی ۔ چنانچہ، اب، 'سکتہ' کامے کے قائم مقام انہی معنوں میں بخوبی لکھا، بولا اور سمجھا جاتا ہے۔

یونانی لفظ ''Koptein'' اس لفظ کا اصل ماخذ ہے جس کے معنی ہیں: ''To cut'' (کاٹنا)، اس سے یونانی لفظ: ''Komma''، اور پھر انگریزی میں ''Comma'' ہوا۔ جملوں کے مختلف حصوں اور ٹکڑوں کے درمیان آ کر عبارت کے ابہام کو دور کرنے میں اس علامت کی بہت اہمیت ہے۔

ایرک پیٹرج کا کہنا ہے:-

"The comma serves to seperate not only clauses but phrases and words." (1)

فل سٹاپ (Full stop) تحریر میں سب سے لمبا وقفہ یا ٹھہراؤ ہے، اور، سکتہ (Comma) سب سے چھوٹے ٹھہراؤ کی علامت ہے۔

سکتے کی علامت انگریزی میں تو، اردو کے حرف ''واؤ'' سے مشابہ ہے۔ یعنی: لائن کے اوپر ایک گول نقطہ اور نیچے بائیں طرف ہلکے ہاتھ سے کھینچ کر چھوڑا جائے، ایسے:-

'' , ''

لیکن ، یہ نشان اسی طرح اردو میں قابل قبول نہیں ہے۔ ایک تو وہی وجہ انگریزی کے بائیں اور اردو تحریر کے دائیں طرف سے شروع کرنے کا فرق — دوسرے اردو میں اسی رخ پر اس کا مڑاؤ، مختصر رکاوٹ کا تاثر پیدا نہیں کرتا — علاوہ ازیں، پڑھنے والوں کو اردو کے حرف 'واؤ' پڑھ لینے کا بھی امکان ہے۔ اسی لیے، اردو املا سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے لائن کے اوپر گول نقطہ ڈال کر ہلکے ہاتھ سے اس کا رخ اوپر دائیں طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ اب ، اس کی شکل الٹی واؤ کی طرح ہو جاتی ہے، ایسے:-

'' ، ''

اس طرح یہ علامت اردو عبارت میں گم نہیں ہوتی، نمایاں نظر آتی ہے۔

استعمال کے مواقع:

جملوں میں '' سکتے '' کے استعمال کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

الف: مفرد الفاظ کے درمیان۔

ب: مرکب جملوں میں۔

(۱) مفرد الفاظ کے درمیان آنے والے سکتوں کی تقسیم حسب ذیل ہو سکتی ہے:-

(i) بہت سے اسماء کے درمیان ،

(ii) بہت سی ضمائر کے درمیان ،

(iii) ایک سے زیادہ صفات کے درمیان ،

(iv) بہت سے افعال کے درمیان ،

(v) بہت سے متعلقات فعل کے درمیان ،

(vi) حروف ربط☆ کے سلسلے میں سکتے کا استعمال، (ایک لفظ کا تعلق دوسرے سے)

(vii) حروف عطف☆ کے سلسلے میں (دو سے زیادہ الفاظ یا جملوں کو ملانے والے)

(viii) حروف تخصیص☆ (کسی اسم یا فعل کے ساتھ حصر یا خصوصیت کے معنی)

(ix) حروف فجائیہ کے ساتھ مثلاً: آیا ، اوہو ، ارے وغیرہ۔

(۲) مرکب جملوں میں:

(i) ایک سے زیادہ الفاظ کے درمیان ،

(ii) الفاظ کے جوڑوں کے درمیان ،

☆ ربط: کا، کی، کے، نے، کو، تئیں، سے، میں، تک، پر۔ (اردو) پاس، تلے، پیچھے، آگے، بیچ، سمیت، نیچے، باہر، لیے، ساتھ، سنگ، سامنے، مارے، سمیت — بغیر، نزدیک، باعث، واسطے، سوا، طرح، نسبت، بجا، بجز، موجب، پس، پیش، قبل، گرد، درمیان۔

☆ دو اسماء یا افعال کو ملانے والے: و ، پھر ، کر ، کے وغیرہ۔

☆ ہی ، صرف ، محض ، فقط ، تنہا ، اکیلا ، بس ، مزا ، خالی ، یہی وغیرہ۔

(iii) سکتہ، نامکمل جملوں کے درمیان (یعنی فریز کے درمیان)
نوٹ: الفاظ کا وہ حصہ جو اپنی ذات میں نامکمل جملہ ہو ، فریز کہلاتا ہے۔

(iv) سکتہ مکمل لیکن دوسروں سے مربوط جملوں کے درمیان ،
نوٹ: جملے کا وہ حصہ جو اپنی ذات میں بھی مکمل جملہ ہو ، کلاز کہلاتا ہے۔

ا۔ مفرد الفاظ کے درمیان سکتے کے استعمال کی تفصیل:۔

'سکتے' کے استعمال کی وہ صورتیں جو مفرد الفاظ کے درمیان ممکن ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) بہت سے اسماء کا اگر ایک ساتھ ذکر آئے تو ایسے جملوں میں سکتے اتنے ناموں تک لگائے جائیں گے جب تک کہ حرف' اور' اس سے پہلے نہ استعمال ہو، مثلاً:۔

- حامد، محمود، ایاز اور سلمان چاروں بھائی ایک ہی سکول میں زیر تعلیم ہیں۔
- یعقوب، جلیل اور عاصم سب سکول چلے گئے۔
- سندھ، پنجاب، بلوچستان اور صوبہ سرحد پاکستان کے چار صوبے ہیں۔

(۲) جملوں میں اسماء کی طرح اگر ایک سے زیادہ ضمائر کا ذکر بھی آئے تو 'اور' سے پہلے جتنی بھی ضمیریں ہیں ان کے ساتھ سکتے کی علامت آئے گی:۔

- وہ ، تم اور میں تو کم از کم اس بات پر متفق ہیں۔
- میں نے کل تمہیں، تمہاری اہلیہ اور تمہارے بچوں کو سینما ہال میں دیکھا تھا۔
- تمہارے والد کے ورثہ کو بربادی سے بچانے کے لیے، تمہاری ذہانت، علمیت، تمہارے بھائیوں کی محنت اور تمہارے پورے خاندان کی توجہ کی ضرورت ہے۔

(۳) جملوں میں کئی صفات کے درمیان سکتوں کی علامتیں آئیں گی حتیٰ کہ آخری صفت کے ساتھ 'اور' کا حرف استعمال ہو ، مثلاً:۔

- اکبر بہت عقل مند ، وسیع النظر ، ہمدرد اور مدبر آدمی ہے۔
- اسلم کی لیاقت ، ذہانت ، علمیت اور زیرکی کے سب مداح ہیں۔

اگر کسی شخص میں دو متضاد خصوصیات کا ذکر کیا جائے گا تو اس کی صورت حسب ذیل ہوگی:۔

- مولانا محمد علی جوہر سچے مسلمان، مخلص سیاستدان، شعلہ بیان مقرر، نامور صحافی اور ایک ممتاز شاعر تھے۔ (اور سے پہلے کاما لگایا جاسکتا ہے۔)
- وہ ہے تو بہت قابل، لیکن پکا بے ایمان۔
یہاں حرف تردید سے پہلے سکتہ آئے گا۔

(۴) اسماء صفات وضمائر وغیرہ کے علاوہ بہت سے افعال کے تذکرے میں سکتے ڈالے جائیں گے ، مثلاً:-
- وہ اٹھا ، آگے بڑھا اور اپنے دشمن پر باز کی طرح جھپٹ پڑا۔
- اس نے دیکھا، ٹھٹکا، پہچاننے کی کوشش کی، نہ پہچان سکا تو آگے بڑھ گیا۔

جھپٹنا ، پلٹنا ، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

حرف 'لیکن' سے پہلے ایرک پیٹرج کے خیال میں سکتے کا استعمال بہتر ہے۔
ناچنے میں وہ حسین لگتا ہے ، لیکن گانے میں اس سے زیادہ خوبصورت۔
یا دو متضاد خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے سکتہ:-
وہ ناچنے میں بہت حسین ہے ، لیکن چال بڑی بھدی ہے۔

(۵) متعلقاتِ فعل کے درمیان بھی سکتہ لگایا جائے گا ، مثلاً:-
- حسرت کی شاعری کو ناقدانہ ، عارفانہ ، فاسقانہ ، عاشقانہ اور متصوفانہ خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔
- مری سے آتے ہوئے اس نے بڑی تیز، اندھادھند اور خوفناک انداز سے گاڑی چلائی۔
- وہ اچانک لڑکھڑایا ، چکرایا اور دیوار سے جا ٹکرایا۔
(مری سے آتے ہوئے = فریز اور جب وہ مری سے آرہے تھے = کلاز)

(۶) مخففات پر مشتمل جب کئی ڈگریوں کو ایک ساتھ لکھا جائے ، تو ، ہر مخفف ڈگری کے بعد دوسری ڈگری لکھنے سے پہلے سکتے کی علامت لگائی جاتی ہے:-
ایم۔اے۔ ، پی ایچ۔ڈی۔ ، ڈی۔لٹ۔

ایم۔بی۔بی۔ایس۔، ایف۔آر۔سی۔ایس۔ ، ایم۔ڈی۔

(۷) حروف ربط ان حروف کو کہتے ہیں جو کسی اسم، ضمیر یا صفت کا تعلق فعل سے پیدا کرتے ہیں — حروف یہ ہیں : میں ، سے ، کو ، تک ، پر ، نیچے، آگے ، پیچھے ، بیچ ، درمیان ، اندر ، سمیت، واسطے ، ساتھ ، نزدیک ، بجز ، سوا ، علاوہ ، بہر ، بعد ، پیش ، قبل ، جاب ، بجائے ، نے وغیرہ

یہ حروف خود چونکہ لفظوں کے درمیان ایک ربط اور تعلق پیدا کرتے ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ سکتے کا استعمال نہیں کیا جاتا ، لیکن ، اگر دو یا دو سے زیادہ حروف ربط استعمال کیے گئے ہوں تو ان کے درمیان میں سکتہ آ سکتا ہے۔ ایک مثال سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے:۔

- خواہ وہ اندر ہو ، اوپر ہو یا مکان کے باہر، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔
- آگے ، پیچھے ، اوپر ، نیچے ہر طرف سے گولیاں برس رہی تھیں۔

(۸) حروف عطف، دو اسماء اور دو جملوں کو ملانے والے یعنی: اور ، و ، پھر ، کر ، کے ، وغیرہ۔ ایسے حروف میں مثلاً کہیں ''کر'' یا '' کے'' حذف کیے گئے ہوں ، تو، ان کی جگہ سکتہ لگایا جاتا ہے ، مثلاً:۔

☆ میں تو سلام کر، سیدھا گھر چلا آیا۔

اس سلسلے میں خواجہ محمد شفیع کی کتاب :'' مغلوں کا مد و جزر'' میں سے ایک عبارت دیکھئے:۔

''یہ تمام مسافر، اس سوال و جواب کے گورکھ دھندے میں غلطاں و پیچاں، ایک دریا کے کنارے جا نکلے۔ گیان کی اگنی سلگا، کنڈل بنا، اس کے گرد ہو بیٹھے۔'' (۲)

مذکورہ جملوں میں 'کر' اور 'کے' کی جگہ سکتے کی علامتیں عبارت کے حسن میں اضافہ کر رہی ہیں۔

مولوی عبدالحق کے حوالے سے چند مثالیں اور:۔

- وہ چھڑی ہاتھ میں لے ، نکل کھڑا ہوا۔
- وہ یہ جا ، وہ جا ، چمپت ہو گئی۔

حروف وصل میں حرف 'اور' کے سلسلے میں بھی جملے کی ساخت اور حرف 'اور' پر زور ہونے یا نہ ہونے کی بناء پر سکتے کی علامت کے استعمال کا فیصلہ کیا جائے گا، مثلاً:۔

ہر کارہ آیا ، اور خط دے کر چلا گیا۔

اس جملے میں اور پر زیادہ زور نہیں ہے، ایسے ہی یہ جملہ:۔

وہاں جوان اور بوڑھے سب موجود تھے۔

لیکن یہ جملہ:-

قبر کا کھلنا ، منکر نکیر اور ، اور یہ سب سوچتے ہوئے نواب کمن کو بڑا ڈر لگا۔

یہاں 'اور' کے بعد سکتہ آئے گا کہ یہاں پر اس پر زور دیا گیا ہے۔ کامے کی جگہ ڈیش بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حروف علت (سو ، پس ، اس لیے ، کیونکہ ، تا کہ ، مبادا ، بنا بریں وغیرہ) سے پہلے سکتے کا استعمال کیا جائے گا ، مثلاً:-

- جو تم نے چاہا ، سو کیا۔
- ورزش کیا کرو ، تا کہ صحت اچھی رہے۔
- اس نے محنت نہیں کی تھی ، اس لیے فیل ہو گیا۔

حروف استدراک (پر، مگر ، الا، لیکن ، البتہ ، آخر کار، بہر حال وغیرہ) یہ تمام حروف اگر آغاز میں آئیں تو ان کے بعد، اگر درمیان میں آئیں تو دونوں طرف سکتے کی علامت لگائی جائے گی، مثلاً:-

- آخر کار ، میں نے تمہیں پہچان ہی لیا۔

یا یوں دیکھیے:-

- میں نے ، آخر کار ، تمہیں پہچان ہی لیا۔
- تم کتنے مصروف سہی ، بہر حال ، میرا کام کرنا ہوگا۔
- مچھر انسان کو جگانے کی بہتیری کوشش کرتا ہے ، پر ، واہ رے انسان ! کسمساتا ہے اور پڑا سوتا رہتا ہے۔
- وہ جلدی جلدی سٹیشن پہنچا ، لیکن ، گاڑی جا چکی تھی۔
- اب تو تمہیں چھوڑ رہا ہوں ، البتہ ، پھر غلطی کی تو نہیں چھوڑوں گا۔

حروف ندائیہ:

مولوی عبدالحق نے حروف ندائیہ کے بعد علامتِ ندائیہ کی جگہ سکتے کے استعمال کو بھی جائز قرار دیا ہے ، مثلاً:-

جناب صدر،

معزز خواتین و حضرات،

اے ماؤ ، بہنو ، بیٹیو ،

السلام علیکم ،

تاہم، ان موقعوں پر علامتِ ندائیہ کو ترجیح حاصل ہے ۔ البتہ ، جہاں خطاب کئی گروپس سے ہو، مثلاً مذکورہ تیسرا خطابیہ جملہ:-

اے ماؤ ، بہنو ، بیٹیو !

اس میں پہلے دو میں تو سکتے کی علامت ڈالنے میں حرج نہیں، ہاں! آخری مخاطب کے ساتھ علامتِ ندائیہ زیادہ مناسب ہے۔

(۲) الف: الفاظ کے جوڑوں کے درمیان سکتے کے استعمال کے سلسلے میں مولوی عبدالحق کا کہنا ہے کہ جب ایک ہی درجے یا رتبے کے الفاظ ، جوڑوں کی صورت میں استعمال ہوں تو ایک جوڑے اور دوسرے جوڑے کے درمیان سکتہ دیتے ہیں۔(۳) مثال یہ دی ہے:-

دن ہو کہ رات ، سفر ہو کہ حضر، خلوت ہو کہ جلوت ، انسان کو چاہیے کہ ہر وقت خدا کو یاد رکھے۔

مزید مثالیں:-

- میرا، آپ کا، شاہد کا، رشید کا نام کامیاب امیدواروں کی فہرست میں شامل ہے۔
- آپ کا قلم، میری گھڑی، اسلم کا ریڈیو اور اکرم کا ٹیلیویژن چاروں جاپانی ہیں۔
- حامد کب آیا ، کب گیا، کیا کہا، کیا سنا اور کس کس سے ملاقات کی — مجھے کچھ نہیں معلوم۔

(نوٹ: یہاں سکتے کی جگہ وقفہ اس لیے نہیں آئے گا کہ الفاظ کے جوڑے پورے جملے کے حصے تو ہیں لیکن مکمل جملے نہیں، جو طویل جملے سے مربوط ہوں۔)

ب: ایسے اجزائے جملہ کے درمیان سکتہ آتا ہے جو تشریحی ہوں، مثلاً:-

یہ چبوترا تیس فٹ لمبا ، بیس فٹ چوڑا ، چار فٹ اونچا ہے۔

(نوٹ: اس جملے میں ' چبوترا ' کے بعد رابطے کی علامت بھی دی جا سکتی ہے کہ چبوترے کی تفصیل آگے دی گئی ہے، اور، ایک ہی لائن میں۔ اگر اسی طرح کی تفصیل اور چیزوں کی بھی دی گئی ہو اور مختلف گروپس بن رہے ہوں، تو، ان گروپس کو ممیز کرنے کے لیے وقفے کا استعمال ہوگا جس کی وضاحت ''وقفے'' کے سلسلے میں کی گئی ہے ، یہاں وقفے اور سکتے کے استعمال کے سلسلے میں کسی غلط فہمی سے بچنے کے لیے یہ وضاحت کی گئی ہے۔

(ج) ایک بڑے جملے کے درمیان اگر ایک ہی درجے کے دو یا دو سے زیادہ چھوٹے جملے آئیں ، تو، ان کے درمیان سکتے کی علامت لگائی جاتی ہے ، مثلاً:-

- میں گھر سے بازار گیا ، بازار سے مدرسے آیا، اب مدرسے سے گھر واپس جا رہا ہوں۔

یاد رہے کہ ایک طویل جملے کے درمیان چھوٹے جملے اپنے مکمل معنوں کے لیے پورے جملے سے مربوط ہوں ، تو ہر جملے کے بعد وقفے (؛) کی علامت آئے گی — لیکن — ہر چھوٹا جملہ اپنے طور پر بھی مکمل معنی دے رہا ہو تو الفاظ کا ان مجموعوں کے درمیان سکتے کی علامتیں آئیں گی۔

ایک اور جملہ دیکھیے:-

- وہ کھیل کے آیا، نہایا، کپڑے بدلے، چائے پی اور ٹیوشن پڑھنے چلا گیا۔

مذکورہ جملوں میں ضمائر اور حروف کو حذف کر کے ان کی جگہ سکتے کی علامتیں لگائی گئی ہیں۔

(د) شرط و جزا پر مشتمل سادہ جملوں میں سکتے کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً:-

- میرا منہ نہ کھلواؤ ، کھری کھری سنا دوں گا۔

اس جملے میں' اگر ' اور ' تو ' کے حروف حذف کیے گئے ہیں۔ جملہ یوں بنتا:-

اگر میرا منہ کھلواؤ گے تو کھری کھری سنا دوں گا۔

لیکن حروف شرط حذف کر کے سکتہ لگا کر معنی میں زیادہ بلاغت پیدا ہو رہی ہے۔

دوسری مثال:-

- جو کوئی اس کے منہ لگا ، ذلیل ہوا۔

ایک اور مثال:-

- جب مطلع صاف ہوا ، تو میں گھر سے باہر نکلا۔

(ر) صلہ و موصول کے درمیان بھی سکتہ آئے گا۔

- جس جس سے ملاقات ہوئی ، سب نے آپ کا ذکر کیا۔

(س) جب ایک سادہ جملہ دوسرے جملے کی توجیہہ کرے تو دونوں کے درمیان سکتہ آئے گا:-

- میں نہیں گیا ، وہ خود ہی میرے پاس چلا آیا۔
- خوب دوڑا کرو ، بھوک اچھی طرح لگا کرے گی۔
- اسے گھر بیٹھے نوکری مل گئی ، وہ باہر کیوں جائے۔

(ش) جب خبر اور مبتداء، خطاب اور مخاطب کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو، تو سکتہ ضرور استعمال کیا جاتا ہے ' مثلاً:-

- حالؔی ، ''مسدس مد و جزر اسلام'' جیسی عظیم نظم کے خالق ہیں۔

''مسدس'' حالؔی کی معرکہ آرا نظم ہے۔

نوٹ: ''مسدس''، ''مسدس مدو جزرِ اسلام'' کا مخفف ہے۔ اس لیے کتاب کے نام کے حوالے سے اس پر واوین کی علامت آئے گی اور اس کے بعد سکتہ آئے گا تاکہ ''مسدسِ حالی'' پڑھ لینے کے بعد جملہ مہمل نہ ہو جائے۔ اس سے بچنے کے لیے ایسے جملوں میں ان موقعوں پر سکتے کا استعمال ضروری ہے۔ یہاں ''مسدس'' کے بعد سکتے کی بجائے رابطے کی علامت بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

• ع

انیسؔ ، دم بھر کا بھروسہ نہیں زمانے میں

• ؎

غافل ، ان مہ طلعتوں کے واسطے
چاہنے والا بھی ، اچھا چاہیے

(ص) مولوی عبدالحق (۴) اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری (۵) نے اشعار میں تعقید سے بچنے کے لیے رموزِ اوقاف، خصوصاً سکتے کے، استعمال کا مشورہ دیا ہے۔ مثلاً ، مولوی عبدالحق نے مذکورہ ذیل اشعار بطور مثال دیئے ہیں:۔

پہلی مثال:۔

؎

سب ، رقیبوں سے ہوں ناخوش ، پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش : کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

مذکورہ شعر میں بابائے اردو نے سکتے کے علاوہ لفظ 'خوش' کے بعد رابطے کا بھی استعمال کیا ہے۔ غالباً اس لیے کہ اگلے الفاظ زلیخا کے منہ سے ادا ہوئے ہیں۔ لیکن ، میرا خیال ہے کہ یہ زنانِ مصر کی کیفیت کا بیان ہے شاعر کی زبانی، لہٰذا، اس سے قبل بھی سکتہ ہی لگا دینا کافی ہے۔ البتہ، پہلے مصرعے میں ''پر'' کے بعد بھی سکتہ آنا چاہیے۔

دیگر امثال:۔

تار ریشم کا نہیں ، ہے یہ رگِ ابرِ بہار

• ع

کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی ، عرض، کیا قدرت؟

• ع

دیوار ، بارِ منتِ مزدور سے ہے خم

• ع

ولے مشکل ہے ، حکمت ، دل میں سوزِ غم چھپانے کی

مولوی عبدالحق نے، مندرجہ ذیل شعر میں سکتے کے علاوہ تین اور علامتوں کا استعمال کیا ہے:- ے

نہیں بہار کو فرصت ؛ نہ ہو ، بہار تو ہے:
''طراوتِ چمن و خوبیٔ ادا کہیے''

چار علامتیں: ''فرصت'' کے بعد وقفہ ؛ ''نہ ہو'' کے بعد سکتہ، ''ہے'' کے بعد رابطہ: اور اگلے مصرعے پر 'واوین' کی علامت — یعنی : سکتے کے علاوہ تین علامتیں — پہلی علامت وقفے کی غالباً اس لیے کہ ایک بات مکمل ہے، دوسری سکتے کی علامت وہاں جہاں اس بات کا جواب ہے۔ رابطے کی علامت اس امر کی غماز ہے کہ دوسرا مصرع واوین میں کسی دوسرے شاعر کے کلام سے ماخوذ ہے۔ شاید ، گرہ لگائی ہے۔
فرمان فتح پوری نے بھی اشعار کے بعض الفاظ اور ٹکڑوں کی تعقید دور کرنے کے لیے سکتے کے استعمال کی مندرجہ ذیل مثالیں دی ہیں:-

• ے

جھڑکی سہی ، ادا سہی ، چینِ جبیں سہی
سب کچھ سہی ، پر اک نہیں کی نہیں سہی
(میری رائے میں پہلی '' نہیں '' پر واوین ہونے چاہئیں۔)

• ے

کہتے ہو نہ دیں گے ہم ، دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجیے ہم نے مدعا پایا

(پہلے مصرعے میں ''کہتے ہو'' کے بعد رابطے کی علامت ، اور، دوسرے مصرعے میں ''دل کہاں'' کے بعد سوالیہ علامت ہو ، تو، شعر کی معنویت اور زیادہ اجاگر ہو جائے گی۔)

• ؎

نیند اس کی ہے ، دماغ اس کا ہے ، راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

(دوسرے مصرعے میں ''تیری زلفیں'' کے بعد سکتہ آنا چاہیے۔)

• ؎

واں وہ غرورِ عزوناز ، یاں یہ حجاب پاس وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

(دوسرے مصرعے کے دونوں ٹکڑے یا کم از کم آخری سوالیہ علامت کے متقاضی ہیں۔)

• ؎

بھاگے تھے ہم بہت ، سو اسی کی ہے یہ سزا
ہو کر اسیر ، دابتے ہیں خستہ تن کے پاؤں

(''سو'' کے بعد بھی سکتہ آ سکتا ہے۔)

• ؎

وفا کیسی ، کہاں کا عشق ، جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل ، تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

(دوسرے مصرعے میں ''اے سنگ دل'' کے بعد ندائیہ اور ''کیوں ہو'' کے بعد سوالیہ علامت آ سکتی ہے۔)

غرض یہ کہ، شعرا کے دواوین میں رموزِ اوقاف کا خاص التزام کیا جائے، تو، ان کی تعقید اور ابہام دور ہو کر ان کی تفہیم زیادہ بہتر ہو سکتی ہے۔

(ض) املائی ضرورت کے پیش نظر بھی سکتے کا استعمال بعض حروف میں غلطی کے امکان کو ختم کر سکتا ہے۔ ان میں مثلاً: ''تو''، ''سو''، ''اور'' شامل ہیں۔ مثلاً یہ جملہ دیکھیے:-

اگر تم ہوش سے کام لیتے تو اس کا نقصان نہ ہوتا۔

اس جملے میں نہ ''تو'' سے پہلے علامت ہے نہ بعد میں۔ بولنے کے انداز پر غور کیجیے، تو ''تو'' سے پہلے سکتے

کی علامت اس لیے ضروری ہے کہ یہ حرف ایک نتیجے کی عکاسی کرتا ہے جس سے پہلے تھوڑا ٹھہراؤ
ہے۔ بعد میں سکتہ یوں ضروری ہے کہ لفظ: ''اس'' کا ''ا''تو کے ساتھ ملا کر پڑھے جانے کا
ہے، اور، اس صورت میں '' تو '' کے ساتھ الف مل کر:''توا'' بن سکتا ہے اور اگر کوئی ''س''
لے تو بے معنی لفظ'' تواس'' بھی بن سکتا ہے— ہاں، اگر''تو'' کے بعد کوئی حرف الف سے شروع
لفظ نہ ہو، تو پھر اس کے بعد سکتے کی علامت حذف کی جاسکتی ہے۔اسی اصول کو دیگر حروف: ''
''سو'' کے سلسلے میں بھی پیش نظر رکھا جاسکتا ہے۔

(ط) جملوں میں جگہوں کے ناموں کے ساتھ بھی سکتہ کا استعمال کیا جانا چاہیے، مثلاً:۔

- الفنسٹن سٹریٹ اور ریگل چوک صدر، کراچی، میں ٹریفک ہر وقت جام رہتا ہے۔
- جس طرح نیو کراچی، کراچی کے نام کے ساتھ ''نیو'' کے لاحقے کا مرکب ہے، اسی طرح
انگلستان کے شہر یارک شائر کا مرکب ہے۔
- نیو کاسل، این۔ایس۔ڈبلیو۔، آسٹریلیا، انگلستان کے شہر نیو کاسل کے نام پر رکھا گیا ہے۔

(ظ) تاریخوں میں سکتے کا استعمال:۔

- ستمبر ۱۱، ۲۰۰۱ء کو دنیا کا ایک عظیم سانحہ رونما ہوا۔
- اتوار، ستمبر ۳، ۱۹۳۹ء کو دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔

(ع) خطوں کے سرناموں اور پتوں میں سکتے کا استعمال:۔

جدید رجحان یہ ہے کہ خطوں کے سرناموں میں سکتے کا استعمال نہ کیا جائے۔ مثلاً سرنامہ یوں لکھیئے:۔

۳۴۱۔سی

سیٹلائیٹ ٹاؤن

بہاول پور

ورنہ مکان نمبر اور محلے کے بعد سکتہ اور شہر کے بعد ختمہ ڈالا جاتا تھا، یوں:۔

۳۴۱۔سی،

سیٹلائیٹ ٹاؤن،

بہاول پور۔

لیکن علامتوں کے کثرتِ استعمال سے بچنے کے لیے اب اس سے گریز کیا جاتا ہے۔
خط یا لفافوں پر بھی پتوں کے لکھنے کا یہی طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے، ایسے :-

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد،

۲ر۱۷-سی،

پی-ای-سی-ایچ- سوسائٹی،

کراچی-

اسی طرح درخواستوں کے سرنامے پر بھی یہی انداز ہونا چاہیے، مثلاً :-

بخدمت :

محترم پرنسپل،

گورنمنٹ ایس-ای-کالج،

بہاول پور-

یا :-

بخدمت :

صدر،

حبیب بینک لمیٹڈ،

حبیب بینک پلازا، کراچی-

باب: ہشتم 11

قوسین

انگریزی میں اسے پیرنتھسز (Paraenthesis) کہتے ہیں۔ جو ابتدائی طور پر یونانی اور قرونِ وسطیٰ میں لاطینی زبان کے توسط سے انگریزی میں آیا۔ یہ لفظ 'پیرا' (Para)، ان (en)، تھیسز☆ (Thesis) کا مرکب ہے۔ جس میں پیرا بمعنی: ''بجائے''، ان بمعنی: ''میں''، تھیسز☆ بمعنی: ''جگہ پر رکھنا — گویا، کوئی چیز کسی کی بجائے جگہ پر رکھنا۔ مختصراً اردو میں اسے 'جملہ معترضہ' کہہ لیجئے۔ اس علامت کی مقصدیت کو اجاگر کرتے ہوئے مصنف ایرک پٹیرج کا کہنا ہے:۔

"Paranthesis signifies an insertion beside ; here , beside the basic meaning of the sentence. "(1)

اس علامت کے لیے باہر کی طرف خم کھائے ہوئے دو نصف دائرے استعمال کیے جاتے ہیں، کسی لفظ یا عبارت کے دائیں اور بائیں، ایسے:۔

"(   )"

یوں سمجھئے، جیسے کوئی چیز علیحدہ سے دکھانے کے لیے دونوں ہاتھوں کو تھوڑا سا فاصلہ دے کر پہنچوں اور انگلیوں کو اندر کی طرف موڑا گیا ہو — انگریزی میں اس کی علامت ایسے ہی ہے، اردو میں اس میں تبدیلی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

اس علامت کے لیے انگریزی میں بریکٹس (Brackets) کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ سرسید نے اس کے لیے 'علامت معترضہ'، ۱۹۲۳ء کی کمیٹی نے ''قوسین'' اور مولوی عبدالحق نے بھی 'قوسین' ہی تجویز کیا۔ اردو میں اب یہ علامت اسی نام سے موسوم ہے۔

استعمال کے مواقع:

(ا) جملہ معترضہ کے موقع پر یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ جملہ معترضہ: یعنی کسی بڑے جملے میں کوئی ایسی وضاحت،

☆ یہ لفظ Tetheni سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں: To set, to put, to place۔

جس کے ہونے یا نہ ہونے سے عبارت کے اصل مفہوم میں کوئی فرق نہ پڑے ، مثلاً :-

- قائداعظم (خدا غریقِ رحمت کرے) پاکستان کے بانی تھے۔
- حکیم اجمل خان (اپنے وقت کے نامور طبیب) غربا کا علاج مفت کرتے تھے۔
- میری سائیکل (جو بڑے بھائی نے دلوائی تھی) چوری ہوگئی۔

(۲) جملہ معترضہ سے قطع نظر یہ علامت ایسے کسی بیان کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے کہ عبارت کے اصل مفہوم سے اس کا بالواسطہ اہم تعلق ہو ، اور ، اس موقع پر اس کے فوری حوالے سے عبارت یا لفظ کا ابہام دور ہو جائے، مثلاً :-

- اس کتاب (''آب گم'') میں مصنف نے مزاح تخلیق کرنے کی شعوری کوشش کی ہے ، جبکہ مزاح کی اصل ، بے ساختگی کا لطیف احساس ہے۔
- سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء - ۱۸۹۸ء) انیسویں صدی عیسوی کے نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔
- اعظم پور ، یو۔پی۔(بھارت) کے ضلع بجنور کی تحصیل چاند پور میں واقع ہے۔
- شیخ عبدالغفورؒ (ڈپٹی نذیر احمد کے جدِ اعلیٰ) برصغیر کے نامور عالمِ دین شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (۱۴۵۶ء - ۱۵۳۷ء) کے جلیل القدر خلفاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔

(۳) مکالموں میں ہدایات، کردار کے ذہنی رویے (mood)، منظر یا دیگر ضروری وضاحتوں کے لیے قوسین کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً :-

مہارانی : (چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے) مہاراج ! ؟

اکبر : (منہ موڑتے ہوئے ، کنیزوں سے) جاؤ!

(کنیزیں رخصت ہو جاتی ہیں۔)

مہارانی : کیوں مہابلی ؟

اکبر : (آنکھیں بند کیے ہوئے) راحت نہیں ------ (۲)

(''انارکلی'' : باب دوم)

(۴) عبارت میں کسی لفظ، الفاظ یا ترکیب کے متبادل دوسری زبان کے الفاظ و تراکیب کے لیے، یا، مشکل لفظ کے رواں عبارت میں آسان اور عام مترادف کے لیے بھی قوسین کا استعمال کیا جاتا ہے ، مثلاً :-

- پاکستان کی افرادی قوت (man-power) بیروزگاری کا شکار ہو رہی ہے۔
- انگریزی لفظ جینئس (Genius) کا ترجمہ ''نابغہ روزگار'' کیا گیا ہے۔

(۵) نمبر شمار کے لیے دیگر علامتوں کے علاوہ قوسین کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً:۔

(۱)

(۲)

(۳)

(۶) کسی طویل عبارت میں کوئی مخصوص حصہ بطور اقتباس کسی خاص مقصد، مثلاً تشریح کے لیے، نشان زدہ کیا جائے، تو، اس کی نشاندہی کے لیے قوسین کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً:۔

''مولانا کا مزاج کچھ علیل تھا۔ انہوں نے اپنی نظم پڑھنے کے لیے مولوی وحید الدین سلیم صاحب کو دی، جو بلند آواز مقرر اور پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ (سلیم صاحب ایک ہی بند پڑھنے پائے تھے کہ مولانا سے نہ رہا گیا، نظم ان کے ہاتھ سے لے لی، اور خود پڑھنی شروع کی، ذرا سی دیر میں مجلس میں کہرام مچ گیا۔) سرسید تو خیر اس زمانے میں موردِ لعن وطعن تھے ہی، اور، ہر کس و ناکس ان کے منہ آتا تھا، لیکن اس کے بعد جس پر سب سے زیادہ اعتراضات کی بوچھاڑ پڑی، وہ حالیؔ تھے۔'' (۳)

مذکورہ بالا عبارت میں قوسین میں دیئے گئے اقتباس کی بحوالہ سیاق وسباق تشریح کیجئے۔ (ضمیمے میں اس کی تشریح دیکھئے)۔

(۷) کسی بیان کے سلسلے میں مزید وضاحت بھی قوسین میں درج کی جاتی ہے، جیسے اوپر کی مثال میں ضمیمے میں تشریح کا تذکرہ۔ یا مذکورہ نمبر ۳ میں مکالموں کا حوالہ (انارکلی۔۔۔)۔ اسی طرح کسی شعر کے لیے اس کے شاعر کا حوالہ دینا مقصود ہو، تو شعر کے دوسرے مصرعے کے دوسرے ٹکڑے کے نیچے شاعر کا نام یا تخلص آئے گا، قوسین میں، ایسے:۔

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر
(اقبال)

یا یہ شعر:-

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل، سو، زر بکف
قاروں نے راستہ میں لٹایا خزانہ ، کیا؟
(آتش)

(۸) کسی بیان کے درمیان میں کوئی مختصر سا تبصرہ یا وضاحت دینی مقصود ہو ، تو، اس کے لیے اطراف تبصرہ یا بہ غرض وضاحت ، قوسین کی علامت لگائی جائے گی ، ایسے:-
شاہد احمد دہلوی کو اپنے ''قریبی احباب سے (گو، قریبی احباب بہت ہی کم تھے پاکستان میں تو اور بھی کم۔) کسی منافع بخش تبادلہ تعلقات کی عادت تھی ہی نہیں۔'' (۴)

(۹) کوئی مضمون یا مقالہ لکھتے ہوئے کوئی غیر اہم خیال، جو تحریر کے دوران ذہن میں آ جائے، انگریزی کے جامع الفاظ میں یوں کہیے: (an unimportant after thought) ، تو، اس کے اطراف میں بھی قوسین کی علامت لگائی جاتی ہے ، مثلاً:-
- گھر کے ملازم کو پولیس والے خواہ مخواہ چوری کے شبہے میں پکڑ کر لے گئے ، (بیچارہ غریب!) وہ تو ایک عرصے سے بڑی ایمانداری سے کام کر رہا تھا۔
- کاش! میں الاسکا میں ہوتا، (اکثر میں یہی سوچتا تھا) تو، گرمیوں میں مچھلیوں کا خوب شکار کرتا، اور سردیوں میں کتابیں پڑھتا اور خوب سوتا۔

(۱۰) مضامین و مقالات میں درمیان میں آنے والے فوری حوالوں کے لیے بھی قوسین کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً:-
- ''فروغِ اقبال'' میں افتخار احمد صدیقی مرحوم نے اقبال کے سفرِ مدراس (ص :۳۵۵) کے سلسلے میں بڑی اہم معلومات دی ہیں۔

قوسین (بڑے) (Square brackets)

انہیں مربع قوسین (Square brackets) بھی کہہ سکتے ہیں (۵)۔ یہ علامت ، انگریزی میں، صوبہ جات متحدہ امریکہ میں کثرت سے استعمال کی جاتی ہے اور انہیں بریکٹس (brackets) کہا جاتا ہے۔ کامن ویلتھ ممالک

میں بھی اکثر اس کا استعمال دیکھا گیا ہے۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے:۔

[ ]

استعمال کے مواقع:

۱۔ اس علامت کا ایک استعمال تو اس موقع پر کیا جاتا ہے، جہاں خط، کتاب، اخباری مضمون یا اپنی کتاب میں لکھنے والا روانی تحریر میں کوئی اپنے ذاتی خیالات سے ہٹ کر کوئی بیان دے جس کا تعلق کسی دوسرے سے ہو۔ یاد رہے کہ چھوٹے بریکٹس میں، لکھنے والا اپنے ہی خیال کی توضیح کرتا ہے۔ مثال:۔

جناب عالی!

یہ مناسب وقت نہیں کہ باغیوں [اور، تمام مزاحمت کرنے والے باغی نہیں ہوتے] کو سبق سکھایا جائے؟ [درست؛ لیکن یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ صحیح قسم کا سبق کیا ہے] اب زندگی قرونِ وسطی کے مقابلے میں زیادہ Precearious ہے۔ [وہ ۱۹۴۰ء۔۱۹۴۱ء کو بھول جاتا ہے]۔

دوسری مثال:

ڈیئر اسلم:

یہ کیا آپ تحقیق کے ایک چھوٹے سے کام میں میری مدد کریں گے۔ [بہت سے مورخین اسے تحقیق سمجھتے ہی نہیں] اس کام کو مجھے ایک مہینے میں مکمل کرنا ہے۔

(۲) قوسین کی ایک اور قسم اس انداز کی ہوتی ہے:

< >

یہ علامت کاتبوں اور کمپوزرز کے لیے دیئے جانے والے مسودات میں استعمال ہوتی ہے۔ تحریر کے درمیان اس علامت کے اندر ان کے لیے ہدایات دی جاتی ہیں، جو کتابت شدہ مواد یا کمپوزڈ میٹریل میں شامل نہیں ہوتا، مثلاً:۔

دیکھا ہے بیر لالؔ کوں اکرم کے باغ میں
پہنچی ہے بوئے عشق کی اس کے دماغ میں

(اکرم سے مراد: شیخ محمد اکرام الدین خاں، شیخ الاسلام عبدالوہاب کے پوتے، جنہوں نے احمد آباد میں ایک عالیشان ''مدرسہ ہدایت بخش'' کے نام سے تعمیر کرایا تھا۔) (۷)

<رموز اوقاف جہاں جہاں ہیں، کمپوزنگ میں اس کا خاص خیال رکھا جائے۔>

باب: ہشتم 12

خط (Dash)

انگریزی میں اسے ڈیش (Dash) کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی ہیں: 'کسی چیز کا تیزی سے اچانک ٹکرانا' انگریزی زبان کے وسطی ادوار میں اسے (Daschen) لکھا جاتا تھا، جو سیکنڈے نیوین ممالک کے لفظ (Daske) سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں: 'مارنا'، 'ٹکرانا'۔ اسے ٹھہراؤ کی علامتوں میں اس کے 'اچانک پن' کے سبب شامل کیا گیا۔ اس کی علامت کے طور پر ایک چھوٹا سا لیٹواں خط، خمے سے بڑا، لائن سے ایک سینٹی میٹر اوپر استعمال کیا جاتا ہے۔ تاکہ درمیان لائن میں نمایاں نظر آئے۔ اس کی لمبائی تین سے چھ سنٹی میٹر تک ہو سکتی ہے، ایسے:-

"—"

استعمال کے مواقع:

اس علامت کے استعمال کے سلسلے میں "یو ہیوا ے پائنٹ" کے مصنف ایرک پیٹرج نے اسے خمہ، سکتہ، وقفہ، رابطہ اور بالخصوص قوسین کے مشابہ قرار دیا ہے، اسی طرح عبارت مخصوص کے دونوں طرف، لیکن، تھوڑے سے فرق کے پیش نظر، وہ لکھتے ہیں:-

> "The dash further rssemlbes paranthesis , in that , in one important function , it expresses rather more strongly , rather more abruptly , what parantheses express less strongly and much more smoothly. " (1)

الف: چنانچہ بریکٹس کے مقابلے میں، کسی جملے میں اگر اچانک کسی توضیح کی ضرورت ہو تو عبارت کے دونوں طرف خط کی علامت استعمال کی جائے گی، مثلاً:-

- وہ ایک سپاہی تھا — ایک سچا اور کھرا سپاہی — جسے سیاستدان ناپسند کرتے تھے۔

ب: بیان میں اچانک تبدیلی کے لیے بھی خط استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً:-

- ایک حسین اور وجیہ مقرر بڑے جوش و جذبے سے تقریر کر رہا تھا، اچانک اس کے گولی لگی — وہ گر پڑا اور پانچ منٹ میں مر گیا۔
- اس نے کہا کچھ نہیں — بس کھڑا دیکھتا رہا۔

- ملک کی برآمدات میں تشویشناک حد تک — تباہ کن حد تک نہیں — بہرحال، کمی آئی ہے۔

ج: کولن کی جگہ:

- قائداعظم کی شخصیت میں قدرت نے بے شمار خوبیاں پیدا کی تھیں — ایسی شخصیتیں صدیوں میں جنم لیتی ہیں۔

د: کامے کی جگہ:

اب اسی تنخواہ میں — وہ جتنی بھی ہے — گذارا کرتا ہے۔

ر: کسی دعوے کے بعد اس کی فوراً تردید کے لیے خط استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً:۔

- دس بیس تو کیا میں پانچ سو دینے کو تیار ہوں — اوہ ! میں تو بٹوا ہی گھر بھول آیا۔
- میں کل آپ کے ساتھ لاہور چلوں گا۔ ایسا کرتے ہیں صبح آٹھ بجے — اوہ! کل تو بڑی اہم میٹنگ ہے، میں تو لاہور نہیں جا سکوں گا۔

س: کسی نکتے کو موثر بنانے کے لیے دوبارہ دہرانے میں خط کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً:۔

- اس کا گھر بہت خوبصورت تھا — جی ہاں ! بہت ہی خوبصورت۔

ش: کسی آخری اور قطعی چیز پر زور دینے کے لیے: مذکورہ ذیل مثالوں سے یہ بات واضح ہو جائے گی:۔

- میرے نزدیک ایک ہی نسل ہے — انسانیت !
- وہ کسی سے نہیں ڈرتا سوائے ایک چیز کے ، اور ، وہ ہے — خوف!

ص: بہت سی صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد، آخر میں اجتماعی طور پر اس کا احاطہ کرنے کے لیے، اس سے پہلے خط استعمال کیا جاتا ہے ، یوں:۔

- گورا رنگ، چمکتی آنکھیں، ستواں ناک، کشادہ پیشانی — مختصر یہ کہ ایک خوبصورت چہرہ میرے سامنے تھا۔
- اس نے تیزی سے اپنی چند چیزیں — بندوق اور گٹار ، کتاب اور نقشہ، ایک فالتو قمیض اور جرابوں کے دو جوڑے — اٹھائیں اور سرحد پار کر گیا۔

ض: مابعد خیال کے لیے بھی خط کا استعمال کیا جاسکتا ہے ، مثلاً:۔

• وہ پھولوں والا لباس پہنے ہوئے تھا — بہت عجیب سے تھے۔

• تم جب گھر پہنچو گے ، تمہارے دوست انتظار کر رہے ہوں گے — اور بیلف (Ballif) بھی!

ط: ایسی مسلسل گفتگو جس میں فریقین کا واضح طور پر ذکر نہ کیا گیا ہو، تو، سوال و جواب کے درمیان خط کے ذریعے فرق ظاہر کیا جاتا ہے ، ایسے:۔

• کل تین بجے تم کہاں ملو گے؟ — تاج ہوٹل میں — کیا تم پورے تین بجے پہنچ سکو گے؟ — کیوں نہیں، میں پورے تین بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔

ظ: گفتگو میں ہکلاہٹ کے تاثر کو پیدا کرنے کے لیے خط کا استعمال زیادہ بہتر کام دے سکتا ہے، مثلاً:۔

ت — تم — ہا ہا — را ن — نَ — نام ک — ک — کیا ہ — ہے۔

ع: سوچنے کی کیفیت کے اظہار کے لیے بھی اس علامت کا استعمال زیادہ مناسب ہے:۔

• مجھے کیا معلوم؟ — اب میں کیا کر سکتا ہوں ؟ — آ — آ — میں کیا بتا سکتا ہوں؟

ف: کوئی بات جان بوجھ کر نامکمل چھوڑنا کہ اس میں انتباہ یا استدعا موجود ہو ، تو خط استعمال کیا جاتا ہے:۔

انتباہ کے لیے۔

• یہ میرا حکم ہے ! نہیں مانو گے تو —

• فوراً دفع ہو جاؤ ، ورنہ —

استدعا کے لیے:۔

• اپنے آپ کو کیوں تباہ کرنے پر تلے ہو ؟ سنو ، اچھا خیر —

ق: شاعری میں خط کا استعمال متزاد اور دوسخنوں میں کیا جا سکتا ہے، مثلاً:۔

• کعبے کا کروں طواف کہ مے خانے کو جاؤں ؟ — کیا حکم ہے مجھ کو ؟

• ارشاد مرے حق میں بھی کچھ ہووے گا ، آیا ؟ — اے پیرِ طریقت !

دوسخنے میں یوں:۔

• سموسہ کیوں نہ کھایا ؟ جوتا کیوں نہ پہنا ؟ — تلا نہ تھا۔

• گوشت کیوں کھایا ؟ ڈوم کیوں نہ گایا ؟ — گلا نہ تھا۔

ک: کسی بیان کے اچانک آغاز سے پہلے:۔

- — اچھا تو یہ وہ شخص تھا، جس نے ڈاکو کو پکڑا تھا۔
- — اگر یہی لچھن ہیں تمہارے، تو آئندہ مجھ سے مدد کی توقع نہ رکھنا۔
- — ''خطرہ۔ اسے ختم کر ڈالو'' یہ تھے وہ الفاظ جو اس خط میں لکھے ہوئے تھے، جو، اچانک اسے پڑا ملا۔

گ: کسی آخری نکتے پر زور دینے کے لیے:۔

- کھودا پہاڑ اور نکلا — چوہا!
- بڑی تلاش اور سخت کھدائی کے بعد جو چیز سامنے آئی وہ تھی — ایک سرنگ۔
- گھر میں — شیر؛ باہر — چوہے: یہ ہے تمہاری اصلیت!

ل: کسی کہانی کے پلاٹ کے اجزاء کے درمیان خط کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً ہندوستان کے مشہور رسالے ''ساقی'' (جون ۱۹۳۴ء) میں افسانے کا ایک پلاٹ دیا گیا، جس پر افسانہ نگاروں سے افسانے لکھوائے گئے — پلاٹ یہ تھا، اس پلاٹ میں خط کا استعمال قابل توجہ ہے:۔

ایک شخص — غیر متعارف خاتون سے خط و کتابت — رومانی فضا اور دل بستگی — ایک حسینہ سے تعارف — محبت — ازدواج، مسرت و انبساط — شکر رنجیاں — کشیدگی — بیزاری — ایام گذشتہ کی یاد — سابقہ مراسلت کی تجدید — تحصیل سکون — اتفاقیہ انکشاف حقیقت — مراسلہ نگار خاتون کی اصل شخصیت — خود شریک حیات۔ (۲)

(نوٹ) جولائی ۱۹۳۴ء کے ساقی کے افسانہ نمبر میں اسی پلاٹ پر بارہ مختلف افسانے لکھے گئے۔)

اس انداز میں کسی کہانی کے خد و خال کسی مضمون کے اہم نکات وغیرہ بھی لکھے جاسکتے ہیں۔

م: ایک موقع خط کے استعمال کا وہ بھی ہے جہاں کسی اہم نکتے کو بہ تکرار بیان کیا جائے تا کہ اس اہم نکتے کے معانی حسن کے ساتھ سامنے آ جائیں اور جذبے کی پوری شدت پڑھنے والے کو محسوس ہو، مثلاً:۔

''اے جذبۂ محبت! تیرے آگے مسافتیں معدوم ہو جاتی ہیں — زمان و مکان کے فاصلے سمٹ جاتے ہیں — ماہ و سال طیور آوارہ کی مانند اڑتے پھرتے ہیں — نہ مکان کی کوئی حقیقت نہ زماں کی کوئی حقیقت — ایک حقیقت کے سامنے سب بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں —'' (۳)

لکھنے میں انبساط کی کیفیت کا اظہار ملاحظہ ہو:۔

''قلم جو اٹھایا تو رحمتِ باری نے ساتھ دیا ـــ روح القدس نے ساتھ دیا ـــ اس عاجز نے کچھ نہ لکھا ـــ لکھوایا گیا۔ یہ انہیں کا کرم ہے ـــ یہ انہی کی عنایت ہے۔'' (۴)

حیرت اور عظمت کو اجاگر کرنے کے لئے، تکرار اور تواترِ بیان میں خط کا استعمال، تقریری کیفیت کو تحریر میں منعکس کر کے اس کی تاثیر میں اضافے کا موجب ہوتا ہے۔ مثلاً یہ عبارت :۔

''محبوبوں کے محبوب، سرور عالم ﷺ کی شان کیا ہوگی! ؟ جن کا ذکر 'زبور' میں ـــ جن کا ذکر 'انجیل' میں ـــ جن کا ذکر 'توریت' میں ـــ جن کا ذکر 'ویدوں' میں ـــ جن کا ذکر 'اپنشدوں' میں ـــ جن کا ذکر 'پرانوں' میں ـــ جن کا ذکر 'ژند' اور 'اوستا' میں ـــ جن کا ذکر زمینوں میں ـــ آسمانوں میں ـــ سمندروں میں ـــ صحراؤں میں ـــ جن کا ذکر اللہ نے بلند کیا ـــ ورفعنا لک ذکرک۔

باب: ہشتم 13

ترچھا خط

اسے انگریزی میں ابلیک (Oblique) کہتے ہیں۔ دو الفاظ یا اعداد کے درمیان ۵سم کا ترچھا خط، ۷۵ ڈگری کا زاویہ بناتے ہوئے، لائن کے اوپر، یوں:۔

" / "

استعمال:

اس علامت کے معنی "یا" کے لیے جاتے ہیں۔ اس کے دونوں طرف لکھی ہوئی چیزیں ہم مرتبہ ہوتی ہیں، یعنی یا یہ، یا وہ۔

مثلاً:۔

انٹرمیڈیٹ میں تیس نمبر کے نصاب کی تقسیم یوں ہے:۔

(۱) خط / آپ بیتی — ۱۰ نمبر

(۲) روداد / مکالمہ — ۱۰ نمبر

(۳) درخواست / رسید — ۱۰ نمبر

ترچھے خط کی ایک اور صورت بھی ہے، اسے نیم ترچھا خط بھی کہہ سکتے ہیں۔ ترچھا خط تو لائن کے آر پار ہوتا ہے، لیکن یہ خط، کسی حرف، لفظ خصوصاً عدد کے بعد لائن سے نیچے رہ جاتا ہے، یوں:۔

" ، "

اس خط کا استعمال، عام طور پر خطوط لکھتے ہوئے اس کے آغاز میں تاریخ لکھتے وقت، کیا جاتا ہے۔ تاریخ لکھنے میں عدد اور مہینے کا نام لکھا جاتا ہے، تاریخ عدد میں لکھی جاتی ہے اور مہینے کا نام الفاظ میں — مثلاً: اگست کے مہینے کی گیارہ تاریخ لکھنی ہو، اور، اسی یوں لکھا جائے:۔

۱۱اگست ۲۰۰۶ء

تو اس صورت میں گیارہ کے ساتھ اگست کا 'الف' مل کر ایک سو گیارہ کے عدد کا تاثر مل سکتا ہے، یا، چار اگست کا 'چار عدد میں لکھا جائے تو بجائے چار اگست کے چودہ اگست پڑھا جا سکتا ہے، یوں:۔

"۱۴ اگست"

اگست کا 'الف' نکل بھی جائے تو صرف گست چودہ کے عدد میں نظر بظاہر اگست ہی پڑھا ج

کے احتمال سے بچنے کے لیے ، عدد اور مہینے کے نام کے درمیان نصف یا نیم ترچھا خط استعمال کیا جاتا

۱۴/ اگست، ۱/۵ اگست،

اسی طرح مذکورہ ذیل تاریخوں کے اندراج کو دیکھیے :۔

۱۱/ اپریل ۲۰۰۶ء

۱/۵ اکتوبر ۲۰۰۶ء وغیرہ

ہمارے خطوں میں اس غلط فہمی سے بچنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، بعض اوقات اس معمولی ۔

اصل تاریخ کا تعین اور تیقن نہیں ہو پاتا۔

باب: ہشتم 14

زیرِ اضافت

انگریزی میں تو اس کی جگہ apostrophe کا استعمال کیا جاتا ہے ـــ اردو میں اس کے نعم البدل اضافت کی زیر ہے، یا 'کا'، 'کے' اور 'کی' ـــ موخرالذکر حروف کا تو استعمال عام کیا جاتا ہے، مثلاً۔

- سلیم کا قلم بہت قیمتی ہے۔
- جہانگیر کا عدل دنیا میں ایک مثال ہے۔

لیکن، اضافت کی زیر کو بالعموم نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے عبارت صحیح طریقے سے پڑھی نہیں جاتی، مثلاً اگر جملہ لکھا جائے یوں :۔

وہ صف اوّل کا کھلاڑی ہے۔

پڑھنے والا 'صف' کی 'ف' کو ساکن کر دے گا ـــ حالانکہ 'ف' کے نیچے زیر آئے گی پھر صحیح ترکیب بنے گی۔ لہٰذا، زیر اضافت کو بھی رموزِ اوقاف کا جز وسمجھ کر، (جہاں ترکیب بنانے کے لیے ضروری ہو) اس علامت کا بالتزام استعمال کرنا چاہیے ـــ مندرجہ ذیل مثالیں دیکھیے :۔

- وہ صفِ اوّل کا کھلاڑی ہے۔
- عدلِ جہانگیری ضربُ المثل ہے۔

غالب کا یہ شعر ـ

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

اسی طرح اُردو میں جن الفاظ کے تلفظ عام نہیں ہیں، ان میں زبر، زیر اور پیش کے استعمال کا اہتمام کرنا چاہیے۔

باب: ہشتم 15

خط زیریں

خط زیریں کو انگریزی میں انڈر لائن (Undrline) کہا جاتا ہے۔ سرسید نے اس علامت کی مقصدیت کے پیشِ نظر اُردو میں اس کا متبادل لفظ ''علامتِ توجہ'' تجویز کیا تھا، لیکن اس میں کسی اور ہی علامت کا تصور ابھرتا ہے۔ انڈر لائن کا صحیح متبادل محمد احسن خاں نے ''خط زیریں'' تجویز کیا ہے جو اس کے نعم البدل کے طور پر بالکل مناسب ہے۔ اس کو لائن پر لکھے ہوئے الفاظ سے اتنے نیچے فاصلے پر ڈالا جاتا ہے، جس سے لائن سے نیچے لکھے جانے والے حروف کٹنے نہ پائیں تا کہ یہ ابہام پیدا نہ ہو کہ ان الفاظ کو کاٹا گیا ہے، مثلاً:-

''علامہ شبلی کا سفر نامہ''

لیکن اگر الفاظ تمام لائن سے اوپر ہی ہوں، تو اس فاصلے کو کم کر کے الفاظ کے اور قریب کیا جا سکتا ہے:-

''کلیاتِ ولی''

استعمال کے مواقع:

(ا) جیسا کہ سرسید نے 'خط زیریں' کو ''علامتِ توجہ'' کہا تھا، اسی سے اس کا بنیادی مقصد سامنے آتا ہے، کہ جب کسی لفظ یا عبارت کی طرف پڑھنے والے کی خصوصی توجہ مبذول کرانی مقصود ہو تو خطِ زیریں کا استعمال کیا جاتا ہے — آپ کو یاد ہوگا کہ یہی کام ''واوین'' سے بھی لیا جاتا ہے۔ یہاں، دونوں کا فرق ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ واوین میں کوئی لفظ، ترکیب یا عبارت وغیرہ کسی بیرونی اثر کے تحت اہم ہوتی ہے، یعنی کہیں لفظ کی اجنبیت یا غرابت یا کسی اور خصوصیت کے سبب، کہیں کسی کے قول وغیرہ کے سبب، برعکس معنی وغیرہ — لیکن — کہیں 'خط زیریں' سے کام لے کر خود اس لفظ یا عبارت کی طرف اپنے قاری یا مخاطب کی خصوصی توجہ مطلوب ہوتی ہے۔ مثلاً درخواستوں میں ''عنوان'' کے تحت، یا درخواست کے متن میں کسی اہم بات کی طرف۔ یہ بات ایک مثال سے زیادہ واضح ہو جائے گی۔ فرض کیجئے آپ ''صدر حبیب بینک'' کے نام سیکنڈ آفیسر کی اسامی کے لیے درخواست لکھتے ہیں یوں:-

بخدمت: صدر ، حبیب بینک ،

حبیب بینک پلازا ،

آئی آئی چندری گر روڈ ، کراچی۔

عنوان: سیکنڈ آفیسر کی اسامی کے لیے درخواست۔

حوالہ: اشتہار مشتہرہ روزنامہ ''جنگ''، ۲؍مئی ، کراچی۔

جناب عالی!

آپ نے اپنے وقیع بینک کی مختلف شاخوں کے لیے سیکنڈ افسران کی خالی اسامیوں کے لیے کامرس گریجویٹ امیدواروں سے درخواست طلب کی ہیں۔ میں نے ۲۰۰۵ء میں کراچی یونیورسٹی سے فرسٹ کلاس میں ایم۔بی۔اے، کی سند حاصل کی ہے، اور حبیب بینک کی شاخ میں چھ ماہ کی ''انٹرن شپ'' بھی کر چکا ہوں۔ عمر چوبیس سال اور ڈومیسائل کراچی کا ہے۔

مذکورہ کوائف کے پیشِ نظر اگر مجھے مشتہرہ کسی ایک اسامی پر منتخب کیا گیا تو مجھے یقین ہے کہ میری پیشہ وارانہ تعلیم اور صلاحیت سے بینک کے وقار اور کارکردگی میں اضافہ ہوگا۔

آپ کا تابع فرمان،

اب ج

مذکورہ بالا درخواست میں دو باتیں اہم ترین ہیں:۔

الف: درخواست کا مقصد

ب: آپ کی تعلیمی قابلیت

ان دونوں کے نیچے خط زیریں ڈال کر آپ نے اپنی درخواست کو بینک کے ارباب اختیار کے لیے درخواست کے متن کی اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے آسان بنا دیا۔

(۲) مضامین اور مقالات میں بھی اسی طرح اہم نکات کی طرف متوجہ کرنے کے لیے خط زیریں کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ، ذیل میں ایک طویل پیراگراف کی چند سطور درج کی جارہی ہیں، ان میں جو نکتہ سب سے اہم ہے، اسے خط زیریں سے قابل توجہ بنایا گیا ہے:۔

''مقالہ لکھتے ہوئے حاشیہ نگاری کے بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ آج کل کے ادیب اسے نظر

انداز کر دیتے ہیں یا اس سے بےخبر رہتے ہیں۔ حاشیہ نگاری کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ
جو بات لکھی جائے، اس کے لیے ضروری اور مستند سند فراہم کی جائے تا کہ حوالہ معتبر بن سکے۔
جدید دور میں کئی محقق حوالے دینے سے گریز کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔"
مذکورہ عبارت میں جو بات اہم ترین ہے، اس کی طرف پڑھنے والے کی توجہ فوراً مبذول ہو جاتی ہے۔

(۳) اسی طرح تحریر میں کسی تشریح طلب لفظ یا الفاظ کے نیچے خط ڈالا جا سکتا ہے، تا کہ اس کی علیحدہ سے تشریح کی جا سکے۔ اس کے لیے قوسین کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔

باب: ہشتم 16

نجم (سٹار)

نجم کی علامت سرسید کے علاوہ کسی اور نے تجویز نہیں کی، حالانکہ اس کا استعمال اب تک کیا جاتا ہے۔ سرسید نے اس کے آٹھ کونے دیئے تھے، لیکن آٹھ کونوں کا ستارہ ذرا مشکل سے بنتا ہے، اس کے مقابلے میں پانچ کونوں والا ستارہ صرف تین تکونوں کی مدد سے آسانی سے بن جاتا ہے، لہٰذا اسے ہی اختیار کرنا چاہیے، وہ یوں بنتا ہے:۔

''☆''

استعمال کا موقع:

یہ علامت تحریر میں اس لفظ پر لگائی جاتی ہے، جہاں اس کی وضاحت فٹ نوٹ میں دی گئی ہو، وہاں بھی نجم کی علامت لگا کر وضاحت کی جاتی ہے ، مثلاً یہ عبارت دیکھیے:۔

''برگد کے سائے تاریک ہو چلے تھے۔ سارس اور مور سمٹے سمٹائے اداس کھڑے تھے۔ چار پانچ آدمی انگوچھے کندھے پر ڈالے جلدی جلدی گاؤں کی اور☆ قدم بڑھا رہے تھے۔''(۱)

یہ سطور قرۃ العین حیدر کے ناول '' آگ کا دریا '' — کی ہیں — جس لفظ پر نجم کی علامت ہے وہ اس لیے کہ فٹ نوٹ میں اس کی وضاحت کی جائے۔ فٹ نوٹ میں یہ وضاحت یوں ہوگی:۔

☆ قرۃ العین حیدر نے یہ لفظ یعنی: ''اور'' بروزن ''مور'' (پرندہ) طرف اور سمت کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ وہ سمت کے لیے ہر جگہ زیادہ تر ''اور'' ہی کا لفظ استعمال کرتی ہیں۔

یہ علامت قوسین سے زیادہ وضاحت طلب امور کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً، بعض اوقات تحریر میں کسی غیر معروف ادیب، مصنف، شاعر کا نام آجائے تو بجائے اس کے حوالوں میں نمبر شمار دے کر اس کی وضاحت کی جائے، فوری طور پر نجم کی علامت لگا کر اس کے مختصر ترین حالات فٹ نوٹ میں دیئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح کی فوری وضاحت طلب باتوں کے لیے اس علامت کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

باب ہشتم 17

علامتِ تسویہ

اُردو میں مساوی کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ انگریزی میں ''equal to''، علامت یہ ہے:۔

'' = ''

لغات میں اردو لغت بورڈ نے اسے استعمال کیا ہے۔

باب: ہشتم 18

علامتِ تجزیہ

اس کے لیے اردو لغت بورڈ والوں نے انگریزی کے Plus یعنی جمع کی علامت استعمال کی ہے، ایسے:۔

" + "

لفظ کے تجزیے کے لیے اس کا استعمال کیا گیا ہے، مثلاً:۔

ذات الجنب = ذات + دل + جب

باب: ہشتم 19

اردو کی چند دیگر علامتیں

(شعر، مصرع، تخلص)

شعر کے لیے اردو میں مذکورہ ذیل علامات استعمال کی جاتی ہیں، جو غالباً بغیر شوشوں والے "ش" کے شروع اور 'ع' اور 'ر' کی تخفیف ہے، ایسے:-

" ؎ "

جب کوئی پورا شعر لکھا جاتا ہے، تو اس سے اوپر کی لائن پر اس جگہ یہ علامت ڈالی جاتی ہے جہاں سے نچلی لائن میں شعر شروع کیا جاتا ہے، ایسے:-

؎
دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
(غالبؔ)

اس علامت کے استعمال سے تحریر میں شعر نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک ہی غزل کے کئی اشعار لکھے جائیں تو اس سے پہلے ایک بار اس علامت کا لگا دینا کافی ہے:-

؎
مجھ سیہ کار کے دل میں بھی، وہ ہوتے ہیں مکیں
شبِ اسریٰ میں جو پہنچے تھے سرِ عرش بریں
الفتِ سرورِ کونین ہے مذہب میرا
یہ نہیں ہے تو مرے واسطے دنیا ہے نہ دیں
دلِ کوثر میں ہے طیبہ کی تمنا کب سے
اس طرف بھی نظر اے گنبدِ خضرا کے مکیں

اسی طرح مصرعے کے لیے اس سے پہلی لائن میں یہ علامت یوں ڈالی جاتی ہے:۔

''ع''

یعنی پوری عین بنا کر اس کے پیٹ سے عین کی گولائی کی نوک کو باہر کی طرف لے جا کر چھوڑنا — اس علامت کی مدد سے تحریر کی روانی میں مصرع گم ہو کر اپنی اہمیت نہیں گنوا بیٹھتا، بلکہ نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے، تو یوں لکھ کر مصرع نمایاں نظر آئے گا:

ع

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

یا — بقول نظیر:۔

ع

جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

تخلص کے لیے بھی جو علامت اردو میں مستعمل ہے، اسے یوں سمجھیے کہ ''ب'' سے پہلے نصف ''ب'' کو ملا کر ''بب'' لکھیے اور اس کے نقطے حذف کر دیجیے، تو بقیہ شاعر کے تخلص کی علامت ہو گی ، یوں:۔

''ؔ''

یہ علامت لائن کے اوپر نہیں بلکہ تخلص لکھ کر اس کے اوپر اس طرح ڈالی جاتی ہے کہ وہ تخلص کے لفظ کا پوری طرح احاطہ کر لے ، اور یہ پڑھنے والے کو پتہ چل جائے کہ رواں تحریر میں کون سا لفظ بطور تخلص ہے ، مثلاً:۔

دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

غالبؔ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا، کیجیے 'ہائے ہائے !' کیوں؟

یا میرؔ ، دردؔ اور سوداؔ اٹھارویں صدی کے نصف آخر کے اہم شعرا ہیں۔

تخلص کی علامت کے سلسلے میں ایک بات پیش نظر رہے کہ بعض تخلص اور قلمی نام شاعروں اور ادیبوں کے اتنے مشہور ہو جاتے ہیں کہ ان کے اصل ناموں کو کوئی نہیں جانتا۔ ان کا معلوم ہونا انکشاف کے زمرے میں آتا ہے۔ ایسے

شاعروں کے یہ قلمی نام ان کے اصل نام ہی شمار کیے جانے چاہیں — عام عبارتوں میں ان کے قلمی ناموں پر تخلص کی علامت لگانا مناسب نہیں ہے، مثلاً، یوں لکھا جائے کہ:۔

سہیل اختر، بہاول پور کے معروف شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ یا

سید تابش الوری، شاعری اور سیاست دونوں کے مردِ میدان ہیں۔

تو، ان جملوں میں ان کے ناموں پر علامت تخلص مناسب نہیں معلوم ہوگی۔ ان شعرا کے اصل نام خواہ کوئی اور ہوں لیکن اب وہ انہی ناموں سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور لطف یہ کہ اپنے نام کے دونوں اجزا وہ بطور تخلص کے بھی استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا، اشعار میں جہاں وہ بطور تخلص اپنے نام یا اس کے جز کا استعمال کریں تو وہاں اس پر تخلص کی علامت آئے گی ، مثلاً:۔

ہم کسے زخم دکھائیں کہ یہاں لوگ سہیلؔ
دیدہ و دل پہ مسلط ہیں خداؤں کی طرح

اسی طرح نام کا دوسرا جزو، بطور تخلص:۔

گنوا کر ہاتھ سے اخترؔ سا گوہر
وہ اپنے دل میں پچھتاتے تو ہوں گے

ایسے ہی تابش الوری نے اپنے غیر منقوطہ نعتیہ کلام میں قلمی نام کا دوسرا جز و بطور تخلص استعمال کیا ہے، اس پر تخلص کی علامت آئے گی ، مثلاً:۔

کس کی ہے لے گلی گلی مدح سرا ہے الوریؔ
حمد ہی اس کا ورد ہے حمد ہی اس کا کام ہے

اسی طرح علامہ اقبال نے جہاں اپنے نام کو تخلص کے طور پر استعمال کیا ہے تو وہاں یہ علامت لگائی جا سکتی ہے، مثلاً:۔

اقبالؔ بڑا اپدیشک ہے، من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا، کردار کا غازی بن نہ سکا

لیکن اگر جملوں میں آئے تو تخلص کی علامت کی ضرورت نہیں، مثلاً۔

اقبال کا ''نظریہ خودی'' ان کے افکار کا محور ہے۔

باب: نہم

تحقیقی مقالہ جات میں حوالوں کے لیے

رموزِ اوقاف کا استعمال

تحقیقی مقالہ جات میں حوالے جس طرح دیئے جاتے ہیں، اس سلسلے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری اعتراف کرتے ہیں:۔

''حقیقت یہ ہے کہ جدید اردو تحقیق ، حوالہ نگاری کے اعتبار سے شدید انتشار کی حالت میں ہے۔ آج ، اس امر کی ازبس ضرورت ہے کہ اس بے قاعدگی اور بے اصولی کی حالت کو ختم کر کے اردو میں حوالہ نگاری کی جدید تیکنیک کو فروغ دیا جائے ، تا کہ ہمارے محققین ایک نئے سائنٹیفک طریقے سے حواشی اور کتابیات کو پیش کر سکیں۔'' (۱)

اس سے قبل ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی نے اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا:۔

''حوالہ دینے کا کوئی مخصوص طریقہ یا اصول معین نہیں ہے ، لیکن ، جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے اس کی پابندی شروع سے آخر تک کی جائے۔'' (۲)

مذکورہ محققین نے حوالہ نگاری کے فن میں جس کوتاہی اور عدم یکسانیت کی نشاندہی کی ہے، خود، ان کی کاوشوں کے باوجود ان میں بالخصوص علامتوں کے حوالے سے بہت سا ابہام موجود ہے۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ فنِ حوالہ نگاری کی بنیاد بھی ''رموزِ اوقاف'' ہے ، جس پر ابھی تک کام تشنہ ہے —رموزِ اوقاف کے سلسلے میں راقم الحروف نے سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد جو کاوش کی ہے ، اسی روشنی میں ، حوالہ نگاری کا قبلہ بھی درست اور متعین کیا جا سکتا ہے۔

۹:۱،۱ تحقیقی کتب میں مآخذ و مراجع:

تحقیقی مقالہ جات اور کتب میں ماخذ و مراجع کے طور پر جس مواد یا جن ذرائع سے مدد لی جاتی ہے، اس کا اعتراف تحقیقی دیانت کا تقاضا ہے۔ اس ضمن میں جو چیزیں محقق کے پیشِ نظر ہو سکتی ہیں ، جن کا حوالہ دینا ضروری ہوتا ہے، تا کہ وہ بیان معتبر اور مستند ہو جائے ، اس سلسلے میں اس کو دو حصوں میں منقسم کی جا سکتا ہے:۔

الف: مطبوعہ مواد

ب: غیر مطبوعہ مواد

(ا) مطبوعہ مواد

مطبوعہ مواد کی مزید تقسیم حسب ذیل ہے:-

(i) **تصانیف:**

(تصنیف کے لغوی معنی 'ایجاد' کے ہیں، یعنی اپنی طبیعت سے کوئی بات نکالنا — گویا تصنیف لکھنے والے کی خود کی تخلیق ہے، مثلاً ناول، افسانے وغیرہ یا اپنے خیالات پر مشتمل مختلف موضوعات پر کتب۔)

(ii) **تالیفات:**

(لغوی معنی 'باہم ملانا'، 'دوستی پیدا کرنا' یعنی دوسری تصانیف سے کسی خاص موضوع پر خیالات لے کر اپنے خیالات کے ساتھ ملا کر نئی شکل میں ترتیب دینا — اس ضمن میں تحقیقی مقالہ جات و کتب شامل ہیں۔)

(iii) **مرتبہ کتب:**

(مضامین و مقالات و خطوط کی صورت میں: مواد دوسروں کا، ترتیب کسی ایک شخص کی۔)

(iv) **کلاسیکل کتب:** (ادبیات عالیہ۔)

(v) تراجم۔

(vi) مقدمات۔

(vii) رسائل، جرائد (اخبارات وغیرہ)

(viii) روداد

(ix) انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) ''ہوز ہو'' (who's who) وغیرہ۔

(x) لغات۔

(۲) غیر مطبوعہ مواد:

(i) مخطوطات:

(ایسی کتب جن کی تاریخی، ادبی و علمی حیثیت مسلمہ ہے۔ اگر وہ چھپ بھی گئی ہوں تب بھی اصل ماخذ کے طور پر اس کی اہمیت اپنی جگہ موجود رہتی ہے۔)

(ii) غیر مطبوعہ تحقیقی ادبی و علمی مقالہ جات، مضامین ومسودات۔

(iii) انٹرویوز۔

(الف) تحریری

(ب) سمعی (آڈیو)

(ج) بصری (وڈیو)

(iv) ذاتی مراسلت/ جوابات

(v) روداد یں۔

(vi) دستاویزات:

(الف) سندات

(ب) تمغہ جات

(ج) تصدیق نامے (سرٹیفکیٹس)

(د) تمسکات (قرض وغیرہ کے اقرار نامے وغیرہ)

(ر) دستی تحریریں۔

تحقیقی اور علمی مقالات میں حوالوں کے لیے مذکورہ بالا مواد ہی زیادہ تر پیش نظر ہوتا ہے۔ ان میں سے ظاہر ہے، ہر ایک کے حوالے دینے کے طریقے میں، خواہ کتاب ہو، رسالہ یا اخبار، جو بھی نوعیت ہو، اس سے مطابقت ہونی چاہیے— تحریر کی ہر نوعیت، گویا حوالے کے انداز میں کسی حد تک فرق کی متقاضی ہوتی ہے۔ مطبوعہ مواد میں سے بیشتر کے حوالوں میں مصنف، مؤلف، مرتب، مترجم کا نام ہی سب سے اہم ہوتا ہے، لہٰذا سب سے پہلے نام لکھنے میں جو احتیاطیں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہیں ان کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

نام لکھنے کا طریقہ:

معروف شخصیتوں کے اصل ناموں اور معروف ناموں میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ بیشتر صورتوں میں ذات، لقب،

عہدہ و منصب اصل نام پر حاوی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ''سرسید'' — ہر چند کے اصل نام 'سید احمد' ہے، لیکن جب تک ''سر'' کا سابقہ نہ لگے ، سرسید پہچان میں نہیں آتے۔ اسی طرح ''ڈپٹی نذیر احمد'' ہیں ، حالانکہ وہ ڈپٹی کلکٹر کے آگے کلکٹر کے عہدے پر بھی رہے ، لیکن ''ڈپٹی'' اب ان نام کا جزو لاینفک ہے — یہی کیفیت بے شمار ادباء و شعراء کی ہے کہ اصل نام بہت پیچھے ، پس منظر میں چلے گئے ہیں — ان حالات میں محقق اس تذبذب میں پڑ جاتا ہے کہ حوالوں میں وہ کس نام کو اختیار کرے ، سو، یہ بات تو طے ہے کہ نام کا پہلا جز و وہی ہوگا ، جو اس کا اصل نام ہے۔ حروف تہجی کے حساب سے وہ اپنے اصل نام کے جزاوّل کے زمرے ہی میں آئے گا ، لیکن وہ معروف سابقہ، اب لاحقے کی صورت میں لازمی طور پر لکھا جائے گا۔ مثلاً :۔

نذیر احمد ، ڈپٹی:

خیال رہے کہ یہاں اصل نام اور لاحقے کے درمیان سکتے کی علامت آئے گی۔

ایک اور بات بھی اس سلسلے میں اہم ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات ''ڈپٹی'' ، ''سر'' ، ''ڈاکٹر'' یا ''مولوی'' اور ''بابائے اردو'' کے معروف نام تو ذہن میں ہوتے ہیں ، اصل نام بالکل یاد نہیں آتا ، یا ، یاد نہیں رہتا۔ اس صورت میں دیکھنے والا ''سر'' ، ''ڈپٹی'' یا ''مولوی'' کے حروف تہجی کی فہرست میں دیکھتا ہے تو وہاں بھی ایسے ناموں کو ان کے سابقوں کے ساتھ لکھ کر اصل نام کے حوالے کی طرف رجوع کرنے کے لیے لکھنا چاہیے ، مثلاً :۔

ڈپٹی نذیر احمد ؛ رجوع کیجئے : نذیر احمد ، ڈپٹی۔

اسی طرح یہ :۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق ؛ رجع : عبدالحق

اسی طرح شاعروں اور ادیبوں کے معروف نام ہی اصل حوالوں میں لکھے جائیں گے، کیونکہ ان کے اصل نام اتنے غیر معروف ہو چکے ہوتے ہیں کہ وہ اس نام سے پہچانے نہیں جاتے، مثلاً : سہیل اختر کا نام علمی و ادبی حلقوں میں اتنا معروف ہے کہ اب ان کی کتب کا حوالہ ''عبدالغفور'' کے نام سے نہیں دیا جا سکتا۔

البتہ ، اگر اصل نام دینا ہی ہے تو وہ قوسین میں دیا جا سکتا ہے ، یوں :۔

سہیل اختر (عبدالغفور): ''صلیب درد''

کتاب کا عنوان:

ادیب ، محقق ، مرتب ، مترجم کے نام کے بعد اس کی تصنیف و تالیف وغیرہ کے لکھنے کا مرحلہ ہے۔ کتاب

کے عنوان کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ، جیسا کہ ''واوین'' کے استعمال کے مواقع میں مذکور ہے ، اس کا عنوان واوین ہی میں لکھا جائے گا۔ اس علامت کے درمیان لکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ عنوان کے لفظیات کی قطعی طور پر تحدید ہو جاتی ہے کہ پورا عنوان کیا ہے۔ مثلاً:۔

''مضامینِ اختر جونا گڑھی''

یا

''آ گ کا دریا''

بعض ماہرین نے اس کے لیے خطِ زیریں (under line) بھی تجویز کیا ہے، لیکن اس میں عنوانات کی تحدید میں قطعیت میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے، لہٰذا ، اس موقع پر ماہرینِ لسانیات کے اصول پر ہی عمل کیا جانا چاہیے جہاں انہوں نے کتب ، رسالے ، اخبار وغیرہ کے عنوانات کے لیے واوین ہی کی علامت تجویز کی ہے۔

مصنفین کے ناموں اور کتاب کے عنوانات میں تقدم و تاخر:

اوّلین اہمیت تو اسی کی ہے کہ مصنف کا نام مقدم ہو ، لیکن ، تحقیقی مقالات میں کتابوں کے عنوانات کے حروف تہجی کے مطابق ترتیب بھی دی جاتی ہے ، تا کہ اگر ذہن میں صرف کتاب کا عنوان ہی ہو تو حوالہ تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو ، اور اب تو کارڈ سسٹم اور کمپیوٹر سے ترتیب میں بآسانی ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔اس صورت میں عنوانات کے اوّلین حروف ، ترتیب کی بنیاد ہوں گے اور عنواناتِ کتب ، واوین ، ہی میں لکھے جائیں۔

مصنف وغیرہ کے نام اور کتاب کے درمیان علامت:

مصنف وغیرہ اور اس کی کتاب کے درمیان رابطے (:) کی علامت آئے گی ، کیونکہ حوالے میں ان دونوں اجزء کا باہم مربوط ہونا ظاہر ہے۔ اس کی مثال یوں ہو سکتی ہے:۔

قرۃ العین حیدر : ''آ گ کا دریا''

اس طرح گویا حوالے کا پہلا اہم جزو مصنف ، مؤلف وغیرہ کے نام اور کتاب کے عنوان پر مشتمل ہوتا ہے ، اور :۔

دوسرا جز تین اہم معلومات پر مشتمل ہوگا ، یعنی:

(الف) ناشر (ادارے کا نام)

(ب) مقام اشاعت

(ج) سن اشاعت

مثلاً: اوپر کے حوالے میں ناشر اور مقام اشاعت اور سن حسب ذیل انداز میں لکھے جائیں گے:۔

قرۃ العین حیدر : ''آگ کا دریا'' ؛ سنگ میل پبلی کیشنز ، لاہور ، ۱۹۹۴ء۔

مذکورہ بالا مندرج علامات کی وضاحت یوں ہے :۔

پہلے جز یعنی مصنف اور کتاب کے نام کی تفصیل تو اوپر آ گئی۔ دوسرا جز یا جوڑا ، ناشر اور مقام و سن اشاعت پر مشتمل ہے۔ پہلے اور دوسرے اجزاء کے درمیان 'وقفے' کی علامت آئے گی۔ جیسا کہ قبل ازیں وقفے کے استعمال کے مواقع میں اس کا بنیادی استعمال ہی یہ بتایا گیا ہے کہ طویل حصۂ عبارت کے مختلف چھوٹے اجزاء کے درمیان امتیاز پیدا کرنا — چنانچہ کتاب کے عنوان کے بعد دوسرا جز وشروع ہونے سے پہلے وقفے کی علامت لگائی گئی ہے۔اس کے بعد ادارے کا نام آ گیا اور ، پھر اشاعت کا مقام ہے — بعض ماہرین، مقام اشاعت کا ذکر پہلے کرتے ہیں، لیکن اس میں معنویت کے اعتبار سے روانی میں فرق پڑتا ہے، لہٰذا، ادارے کا نام پہلے اور پھر سکتے کی علامت ڈال کر شہر یا مقام اشاعت کا ذکر مناسب ہے — اور — چونکہ ناشر یا ادارے کا نام اور مقام اشاعت ایک دوسرے کی تکمیل کر رہے ہیں، سو ، یہاں سکتے کی علامت آئے گی — اسی طرح سنِ اشاعت سے پہلے بھی سکتہ ۔ صرف ایک ہی ایڈیشن ہو، تو ، اس کا تفصیلی حوالہ یوں ہوگا :۔

محمد عارف سید : ''شاہد احمد دہلوی — حالات وآثار'' ؛ انجمن ترقی اردو پاکستان ، کراچی ؛ ۲۰۰۰ء ،

تیسرا جز و بھی مشتمل ہے:۔

الف: ضمنی تفصیلات

ب: صفحہ نمبر

ضمنی تفصیلات میں کتاب کے دوسرے، تیسرے ------- ایڈیشنز کا ذکر آ سکتا ہے۔ خیال رہے کہ کتاب کا صرف ایک ایڈیشن ہی چھپا ہے تو اس کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے — ،کتاب کی کئی جلدیں ہوں، تو یہاں جلد نمبر کا ذکر بھی ضروری ہوگا ۔ اور یہ تفصیلات ، قوسین میں درج ہوں گی، جیسے:۔

محمد شبلی ، نعمانی : ''سیرت النبیؐ'' -----۔(ایڈیشن چوتھا ، جلد ۱)

ان قوسین میں صرف ایک ہی چیز ہو تو صرف قوسین میں اسی کا ذکر ہوگا، البتہ ، دوسری معلومات کے سلسلے میں مندرج تفصیل سے پہلے سکتے کی علامت آئے گی۔

یاد رہے کہ قوسین میں ضمنی تفصیلات سے پہلے ''وقفے'' کی علامت آئے گی کہ وہاں پر سن اشاعت تک دوسرا

جوڑا ختم ہوا ہے —

صفحہ نمبر کے لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ صفحہ کا مخفف ''ص'' لکھا جائے گا اور اس کے بعد صفحے کا نمبر۔ ''ص'' اور اس کے نمبر کے درمیان رابطے کی علامت آئے گی۔ اور صفحہ نمبر کے بعد ختمے کی علامت ، ختمہ یوں ضروری ہے تا کہ نمبروں میں قطعیت آ جائے ، یوں:۔

؛ ص : ۳۱۷۔

اس طرح کسی کتاب کے عمومی حوالے کا اندراج درج ذیل ہوگا۔ مثلاً یہ کتاب ''آ گ کا دریا'' ہے، تو ، اس کا حوالہ پورا یوں ہوگا :۔

قرۃ العین حیدر: ''آ گ کا دریا'' ؛ سنگ میل پبلی کیشنز ، لاہور ؛ ۱۹۹۴ء ، ص:۲۶۴۔

کسی کتاب کا ایڈیشن ، دیگر حوالوں کے ساتھ یوں ہوگا:۔

برج موہن دتاتریہ ، کیفی ، پنڈت : ''کیفیہ'' ؛ مکتبہ معین الادب ، لاہور ؛ ۱۹۵۰ء (دوسرا ایڈیشن) ، ص : ۲۷۱۔

ایک اور حوالہ دیکھیے:۔

محمد حسین آزاد: ''آب حیات''؛ شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ؛ ۱۹۱۱ء (طبع یازدہم) ، ص: ۱۰۱۔

اب ایسی کتاب کے حوالے کا نمونہ دیکھیے، جس میں ایڈیشن اور جلد ، دونوں کا ذکر ہو ، مثلاً:۔

سلیمان ندوی، سید : ''سیرۃ النبی'' ؛ نیشنل بک فاؤنڈیشن ، اسلام آباد ؛ ۱۹۸۰ء (دوسرا ایڈیشن، جلد چہارم) ، ص : ۱۲۸۔

بعض کتب دو مصنفین کے اشتراک سے لکھی جاتی ہیں، اس کا حوالہ یوں ہوگا:۔

عبدالمجید بہ اشتراک جمیل اصغر : ''چغتائی کا فن'' ؛ مکتبہ مشرق ، اسلام آباد ؛ ۱۹۸۱ء ، ص ۸۱۔

مذکورہ بالا طریقے تحقیقی حوالوں کے کلاسیکل کتب، تصنیفات اور تالیفات سے متعلق ہیں۔

مطبوعہ مواد میں مرتبہ اور ترجمہ شدہ کتب میں حوالوں کا کیا انداز اختیار کیا جائے گا، اس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

مرتبہ کتب:

مرتبہ کتب کی بھی دو اقسام ہیں:۔

الف: کسی ایک ہی مصنف کے مضامین، خطوط وغیرہ ہوں اور انہیں کسی ایک ہی شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص یا ادارے مرتب کیا ہو۔

(ب) بہت سے مضامین، مقالات وغیرہ کسی ایک موضوع پر کسی ایک شخص یا ایک سے زیادہ اشخاص یا ادارے نے مرتب کیے ہوں۔

(ج) ترتیب شدہ کتاب میں اگر انتخاب یا نصابی کتاب کی صورت میں مرتب، مرتبین یا ادارے کی تحقیقی کاوشیں زیادہ ہوں تو وہاں مرتب یا مرتبین کے نام ہوں گے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری (۱) اور عبدالرزاق قریشی (۲) نے اس موضوع پر اپنے اپنے مضامین میں کہیں مرتب کو مقدم رکھا ہے کہیں مصنف کو — میرے خیال میں اس میں یکساں اصول سامنے ہونا چاہیے — اور وہ یہ ہے کہ یہاں بھی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اصل اہمیت مصنف ہی کی ہے — اس لیے یہاں مصنف یا مقالہ نگار کا نام مقدم ہو، اور تصنیف و تالیف کے حوالے کے طریق کار سے قدرے مختلف اس میں مصنف اور اس کے مجموعہ مضامین و مکاتیب وغیرہ کے بعد مرتب یا مرتبین یا ادارے کا نام اور ترتیب شدہ کتاب کا عنوان اور دیگر تفاصیل حسب ذیل انداز میں دی جائیں۔

حوالے کا پہلا حصہ:

(۱) مصنف کا نام

(۲) کتاب یا مشمولہ مضمون کا عنوان

دوسرا حصہ:

(۱) مرتب کا نام

(۲) کتاب کا عنوان (عنوان وہی ہے تو دہرانے کی ضرورت نہیں)

تیسرا حصہ:

(۱) ناشر (ادارہ)

(۲) مقام اشاعت

(۳) سن اشاعت

چوتھا حصہ:

(۱) ضمنی تفصیلات (ایڈیشن، جلد نمبر وغیرہ)

(۲) صفحہ نمبر

مثلاً، ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مولوی عبدالحق کے خطوط مرتب کیے، اس میں اصل شخصیت مصنف کی حیثیت سے مولوی عبدالحق کی ہے، سو ، اس کا حوالہ یوں ہوگا:۔

- عبدالحق، مولوی: ''خطوط عبدالحق'' ؛ مرتبہ: عبادت بریلوی ؛ یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۷۶ء ؛ ص : ۲۲۔
- وزیر آغا : ''وزیر آغا کے خطوط'' ؛ مرتبہ : انور سدید ؛ مکتبہ فکر و خیال، لاہور ، ۱۹۸۵ء ؛ ص:۸۱۔
- محمد مظہر اللہ : ''مکاتیب مظہری'' ؛ مرتبہ: محمد مسعود احمد، ڈاکٹر ؛ ادارہ مسعودیہ، کراچی ، ۱۹۹۹ء ، (دو جلدیں، ج : ۱) ؛ ص : ۱۴۶۔
- سید احمد، سر: ''مقالات سرسید'' ؛ مرتبہ : محمد اسماعیل ، پانی پتی ، شیخ ؛ مجلس ترقی ادب ، لاہور، ۱۹۶۱۔۶۲ء (پندرہ جلدیں ؛ ج : ۱) ؛ ص : ۱۷۔
- حامد علی خان : ''نفائس ادب'' ؛ مرتبین : جعفر بلوچ ،زاہد علی خان ؛ دارالتذکیر ، لاہور ، ۲۰۰۴ء ؛ ص : ۷۶۔

مزید امثال:

- وقار عظیم : ''فورٹ ولیم کالج'' ؛ مرتبہ : معین الرحمٰن ؛ یونیورسل بکس ، لاہور ، ۱۹۸۶ء ؛ ص:۱۲۱۔
- قدرت اللہ قاسم : ''مجموعۂ نغز'' ؛ مرتبہ : محمود شیرانی ؛ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، سن ندارد ؛ ص:۲۲۵۔
- غلام ہمدانی مصحفی: ''کلیاتِ مصحفی'' ؛ مرتبہ : نور نقوی ؛ مجلس ترقی ادب ، لاہور ، ۱۹۶۸ء ، (پانچ جلدیں) ؛ جلد دوم ، ص : ۲۸۔
- پریم چند : ''مضامینِ پریم چند'' ؛ مرتبہ : عتیق احمد ؛ انجمن ترقی اردو ، ۱۹۸۱ء ؛ ص : ۱۰۔
- مجید امجد : ''کلیاتِ امجد'' ؛ مرتبہ : محمد زکریا،خواجہ ؛ ماورا پبلشرز، لاہور ، ۱۹۸۹ء ؛ ص : ۱۶۔

(نوٹ: اگر کسی مرتبہ کتاب کی مکمل جلدوں کا علم ہو، تو ، اس کی جلدوں کی کل تعداد بھی دینا محقق کی سہولت کا سبب ہوگا، بعدازاں ، جس جلد کا حوالہ ہو، اس کا نمبر دے کر بقیہ تفصیلات دی جائیں۔)

دیگر مرتبہ کتب کے حوالوں کی امثال، جن میں مختلف مقالات و مضامین مرتب کیے گئے ہوں۔ ان میں بھی محقق کی نظر میں بنیادی اہمیت اس مضمون یا مقالے کی ہوتی ہے جس کا وہ حوالہ دینا چاہتا ہے اور اس کے لکھنے والے کی — یہاں مرتب کے نام سے پہلے اس مجموعۂ مقالات یا مضامین کے مجموعے کا عنوان بھی دیا جائے گا، کیونکہ وہ اصل مضمون سے مختلف ہوگا۔

عام مرتبہ کتب کے حصوں کے مقابلے میں یہاں مرتبہ کتاب کا عنوان بھی موجود ہوگا۔ جس کا ذکر دوسرے حصے میں ہے۔ مثال کے طور پر ایک کتاب کا حوالہ دیکھئے:۔

- عزیز احمد : ''سب رس کے ماخذ اور۔۔۔'' ؛ مضمون مشمولہ:
- اشفاق احمد، محمد اکرم چغتائی، فضل قادر فضلی (مرتبین) : 'ہفت زبانی لغت' ؛ مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۴ء ؛ ص : ۴۱۷۔

ایک اور اہم مضمون، جس کا حوالہ ایک مرتبہ کتاب سے دیا گیا ہے:۔

- شبیہ الحسن: ''ادبی تنقید اور تحلیل نفسی'' ؛ مضمون مشمولہ : ''اردو تنقید'' ، مرتبہ : حامدی کاشمیری؛ ساہتیہ اکیڈمی ، نئی دہلی ، ۱۹۹۷ء ؛ ص:۱۷۸۔

(ج) تیسری صورت ان مرتبہ کتب کی ہے، جن میں مرتب مرتبین یا ادارے کی اہمیت مقدم ہوتی ہے۔ ایسے میں مرتب غیرہ کا نام پہلے آنا چاہیے، لیکن قوسین میں ''مرتب'' یا ''مرتبین'' کی وضاحت کر دی جائے — یعنی اس کے حصے یوں ہوں گے:

پہلا حصہ:

(۱) مرتب/مرتبین کے نام

(۲) مرتبہ کتاب کا عنوان

دوسرا حصہ:

(۱) ناشر

(۲) مقام اشاعت

(۳) سن اشاعت

تیسرا حصہ:

(۱) ضمنی تفصیلات

(۲) صفحہ نمبر

- محمد شمس الدین صدیقی، مرتضیٰ اختر جعفری (مرتبین) : ''خیابان غالب'' ؛ عظیم پبلشنگ ہاؤس، پشاور، ۱۹۶۹ء ؛ ص : ۹۶۔
- اشفاق احمد، محمد اکرام چغتائی، فضل قادر فضلی (مرتبین): ''ہفت زبانی لغت'' ؛ مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۴ء ؛ ص : ۴۱۷۔

اگر مرتبین تین سے زیادہ ہوں تو اس صورت میں سب سے اہم نام اور اس کے ساتھ لفظ ''دیگر'' اضافہ کر دیا جاتا ہے، مثلاً:۔

- وقار عظیم اور دیگر (مرتبین) : ''اردو کی دوسری کتاب'' ؛ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور، ۱۹۸۱ء ؛ ص:۳۶۔

بعض کتب پر مرتب کی بجائے ادارے کا نام ہوتا ہے، ایسے میں اس ادارے کا نام پہلے لکھا جائے گا، لیکن، ادارے چونکہ شخصیتوں کے زمرے میں نہیں آتے، لہٰذا، ایسی مرتبہ کتب کی فہرست اداروں کی طرف سے چھپنے والی کتابوں کے تحت آئیں گی، ان کا حوالہ یوں دیا جائے گا:۔

- قومی کتاب مرکز، پاکستان : ''اردو میں حوالے کی کتابیں'' ؛ قومی کتاب مرکز، پاکستان، کراچی، ۱۹۶۵ء ؛ ص: ۱۵۔
- پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن :''پاکستان میں عادات کا مطالعہ'' ؛ نیشنل بک سنٹر آف پاکستان، لاہور، ۱۹۷۴ء ؛ ص : ۱۲۴
- حلقہ ارباب ذوق : ''۱۹۶۹ء کی بہترین نظمیں'' ؛ گوشہ ادب، لاہور، ۱۹۵۰ء ؛ ص : ۴۲۔

مقدمات:

مرتبہ کتب میں بعض اوقات مقدمات بہت اہم ہوتے ہیں۔ اگر اس خاص مقدمے کا حوالہ دینا مقصود ہو، تو مصنف اور کتاب کے عنوان کے علاوہ اس میں مقدمے کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے، یوں:۔

- اصغر عباس : ''سرسید کی صحافت'' ؛ مقدمہ: خلیق نظامی ؛ ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، ۱۹۸۲ء ؛ ص :۱۸۲۔(۵)

تراجم:

تراجم کے حوالوں کے سلسلے میں ترتیب یوں ہوگی کہ اس میں اگر اصل مصنف اور تصنیف کا علم ہو تو پہلے اس کی تفصیل، پھر دیگر تفصیلات، مختلف حصوں کی صورت میں ہوں:۔

پہلا حصہ

(۱) اصل مصنف کا نام

(۲) اس کی تصنیف کا عنوان

دوسرا حصہ

(۱) ترجمہ نگار کا نام

(۲) ترجمے کا عنوان

تیسرا حصہ

(۱) ناشر

(۲) مقام اشاعت

(۳) سن اشاعت

چوتھا حصہ

(۱) ضمنی تفصیلات

(۲) صفحہ نمبر

اس کی ایک مثال یہ ہے:۔

- تاراچند، ڈاکٹر:----The influcence of Islam؛ مترجم : محمد مسعود احمد، ڈاکٹر : ''تمدن ہند پر اسلامی اثرات'' ؛ مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۴ء ؛ ص : ۷۰۔
- ہومر : اوڈیسے (Odyssey) ؛ مترجم محمد سلیم الرحمٰن : ''جہاں گرد کی واپسی'' ؛ مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۶۴ء ؛ ص : ۷۰۔
- اگر اصل مصنف کی تصنیف معلوم نہ ہو اور مصنف کا نام معلوم ہو تو مصنف کا نام اور اس کی ترجمہ شدہ کتاب کا

عنوان آئے گا، اور پھر باقی حوالے، یوں :۔

مور لینڈ، ڈبلیو ایچ: ''مختصر تاریخ ہند'' ؛ مترجم: یوسف کوکن؛ مدراس یونیورسٹی، مدراس، ۱۹۵۲ء ؛ص:۷۰۔

• مشہور کتابوں کے ترجمے کے سلسلے میں اصل مصنف اور اصل کتاب کا نام لیے بغیر صرف ترجمے کا حوالہ دیا جاسکتا ہے:۔

• عزیز احمد (مترجم) : ''بوطیقا'' ؛ انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی ؛ ۱۹۶۱ء ؛ (طبع ثانی) ص:۸۴۔

مرتبہ کلاسیکی کتب:

مشہور شعرا و ادباء کے دواوین و منشورات کے حوالے کے لیے ان کا نام دینے کے بعد صرف مخصوص ایڈیشن، ناشر اور سن طباعت کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً:۔

• حالی: ''مسدس حالی'' ؛ مرتبہ : عابد حسین ؛ حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۳۵ء (صدی ایڈیشن)

• میر امن :''باغ و بہار'' ؛ مقدمہ:سلیم اختر، ڈنکن فوبز ؛ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۲ء ؛ ص:۴۶۱۔

آسمانی کتب کے سلسلے میں ان پر دواوین بھی نہیں لگائے جاتے، ظاہر ہے ان سے پہلے نہ نام کی ضرورت ہے، البتہ مترجم اور مفسر کے نام ، ناشر، مقام اشاعت، سن اشاعت اور دیگر تفصیلات ویسے ہی دی جائیں۔سورت اور آیت نمبر بھی کتاب کے نام کے بعد لکھا جائے گا۔ مثلاً:۔

• قرآن کریم : سورۃ رحمٰن ، آیت نمبر۱ ؛ شاہ عبدالقادرؒ

رسائل:

رسائل میں چھپے ہوئے مضامین و مقالات یا نگارشات کے حوالے کے سلسلے میں ترتیب حسب ذیل ہوگی:۔

پہلا حصہ:

(۱) مقالہ و مضمون نگار کا نام

(۲) مقالے/مضمون وغیرہ کا عنوان

دوسرا حصہ:

(۱) رسالے کی نوعیت، ماہنامہ، سہ ماہی، سالانہ وغیرہ

(۲) رسالہ کا نام

(۳) ادارہ و مقام اشاعت ۔(ڈاکٹر تبسم نے مقام اشاعت نہ دینے کی تجویز کی ہے جو محل نظر ہے)

تیسرا حصہ

(۱) جلد اور شمارہ نمبر

(۲) مہینہ و سال

(ان دونوں میں سے کوئی ایک ضروری ہے، دنوں ہوں تو بہتر ورنہ)

چوتھا حصہ

(۱) کوئی ضمنی تفصیل

(۲) صفحہ نمبر

اس کے تحت ذیل میں ایک رسالے سے مضمون کا حوالہ یوں ہوگا،

رموزِ اوقاف کی تفصیل ابتدا میں دی جا چکی ہے، ذیل میں ان علامتوں کو بغور دیکھیئے :۔

- منور علی خان، پروفیسر: ''علامہ اقبال ۔۔۔۔'' ماہنامہ ''نوائے اخلاق'' : علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، راولپنڈی ؛ جلد۶، شمارہ۲، فروری۲۰۰۶ء ؛ ص : ۶۔
- خلیل احمد رانا :''پروفیسر اسلم کے سفرنامۂ ہند۔۔۔'' ماہنامہ ''معارف رضا'' : ادارہ تحقیقات رضا، کراچی ؛ جلد۲۶، شمارہ۲ تا۴ ، مارچ۲۰۰۶ء (سالنامہ) ؛ ص : ۱۵۷۔

بعض اوقات کسی مقالے، مباحثے وغیرہ میں ایک سے زیادہ شرکاء ہوتے ہیں، مثلاً ''فکشن کے مسائل'' پر ماہنامہ ''اوراق'' میں ایک طویل بحث چھپی، جس میں احمد جاوید، مرزا حامد بیگ، اقبال آفاقی، منشایاد اور یوسف حسن نے شرکت کی۔ اس میں صرف پہلے شریک گفتگو یا شریک مصنف کا نام اور دیگر لکھ کر مذکورہ ذیل انداز میں حوالہ دیا جائے گا:۔

- احمد جاوید اور دیگر : ''فکشن کے مسائل'' ؛ ماہنامہ ''اوراق'' لاہور؛ شمارہ۱۱،۱۲، ۱۹۸۲ء ؛ ص:۲۶۷۔

اخبارات کے سلسلے میں بھی ترتیب رسائل ہی کی طرح ہوگی، لیکن کچھ تھوڑے سے فرق کے ساتھ، یوں:۔

پہلا حصہ:

(۱) مضمون یا کالم نگار کا نام

(۲) عنوان

دوسرا حصہ

(۱) اخبار کی نوعیت (روزنامہ، سہ روزہ، ہفت روزہ وغیرہ)

(۲) نام

(۳) مقام اشاعت

تیسرا حصہ:

(۱) شمارہ اور جلد نمبر معلوم ہو تو

(۲) دن، تاریخ مہینہ و سال (تاریخ)

(۳) صفحہ نمبر

مثلاً:۔

عرفان صدیقی: ''نقش خیال'' ؛ روزنامہ ''نوائے وقت'' ملتان ؛ جمعہ، ۲۸/اپریل ۲۰۰۶ء ؛ ص:۳۔

عاشق مصطفیٰ، ڈاکٹر : ''اعلیٰ ظرفی'' ؛ پندرہ روزہ ''مینارۂ نور'' بہاول پور ؛ یکم تا ۱۵/اپریل ۲۰۰۶ء ؛ ص : ۳۔

اسرار زیدی: ''گوشۂ ادب'' ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' کراچی؛ جلد ۱۱، شمارہ ۵، ۲۲/جنوری ۱۹۸۸ء؛ ص : ۴۳۔

اخبار کی کسی خبر کا حوالہ دینا ہو تو صرف:۔

پہلا حصہ

(۱) اخبار کی نوعیت (روزنامہ ، سہ روزہ وغیرہ)

(۲) اخبار کا نام

(۳) مقام اشاعت

دوسرا حصہ

(۱) دن، تاریخ، سن، ماہ و سال

(۲) صفحہ اور کالم نمبر

روزنامہ ''جنگ'' راولپنڈی ؛ اتوار، ۲۱/مئی ۲۰۰۶ء ؛ ص : ۱، کالم:۱۔

(نوٹ: خبر کی نوعیت، اس کی تفصیل یا اس پر تبصرہ متن میں ہوگا۔)

کسی اخبار کے صرف اداریے کا حوالہ دینا ہو تو، یوں:۔

- اداریہ : روزنامہ ''امروز لاہور ، یکم جون ۱۹۸۱ء۔

رودادیں:

رودادیں مطبوعہ بھی ہوتی ہیں، تحقیق میں ان کا حوالہ دینے کے لیے جب اس روداد کے مرتب کرنے والے کا نام بھی معلوم ہو تو پہلے اس کا نام — پھر روداد ، اجلاس ، تاریخ اور صفحہ نمبر وغیرہ دیا جائے گا ، مثلاً:۔

- مہدی علی خان ، محسن الملک : ''روداد محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس'' ؛ مطبع احمدی، علی گڑھ، ۱۹۰۳ء ؛ ص:۱۰

اسی طرح مندرجہ ذیل روداد کا حوالہ:۔

- آفتاب احمد خان، صاحبزادہ:''آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس؛ اجلاس تیسواں؛ (س ن)☆ ۲۹۔۳۱ر دسمبر ۱۹۰۹ء ؛ ص : ۱۱۲۔

اگر مرتب کا نام نہ ہو تو اس کا حوالہ یوں ہوگا:۔

- ''آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشن کا کانفرنس'' : روداد اجلاس بائیسواں؛ مطبع مفید عام، آگرہ، س ن ؛ ص : ۳۷۔

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی رودادوں میں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، اس میں پہلے قومی یا صوبائی اسمبلی۔ قومی کے ساتھ اور صوبائی کے ساتھ، جس صوبے سے اس کا تعلق ہو، اس کا اندراج ضروری ہے — پھر روداد کا عنوان کہ وہ کس نوعیت کی ہے۔ بعد ازاں تاریخ مع ماہ و سال ، پھر جلد نمبر اور صفحہ نمبر — مندرجہ ذیل حوالہ دینے کے طریقے میں بھی رموزِ اوقاف کا اپنے اپنے مقام پر غور ضروری ہے کہ کسی جگہ کون سی علامت آئے گی:۔

- صوبائی اسمبلی پنجاب: ''مباحثات'' ؛ ۳۰ر مارچ ۱۹۷۳ء ؛ جلد۳ ، ص : ۳۵۔

کسی ایسوسی ایشن، بورڈ، یا کمیشن کے اجلاس کی روداد کے حوالے کے لیے بھی، پہلے ادارے کا نام، پھر اجلاس کی نوعیت، پھر سن اور تاریخ وصفحہ نمبر وغیرہ — یوں:۔

- منصوبہ بندی کمیشن، پاکستان : ''دوسرا پنج سالہ منصوبہ (۶۵۔۱۹۶۰ء) اور اس کی کامیابیاں — آخری جائزہ'' ؛ کراچی، ۱۹۶۶ء۔

- بورڈ آف انٹرمیڈیٹ وسیکنڈری ایجوکیشن ملتان :''انٹرمیڈیٹ — سالانہ نتائج ۱۹۹۰ء'' ؛ بورڈ پریس، ملتان ، ۳۰ر اگست ۱۹۹۰ء ؛ ص : ۱۰۳۔

☆ سن ندارد کا مخفف ہے۔ جہاں سن معلوم نہ ہو وہاں یہ مخفف حروف لکھے جاتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا/دائرۃ المعارف:

کسی انسائیکلوپیڈیا میں شامل مقالے کا حوالہ دینے کی ترتیب یوں ہوگی:۔

پہلا حصہ

(۱) مقالہ نگار کا نام

(۲) مقالے کا عنوان

دوسرا حصہ

(۱) انسائیکلوپیڈیا کا نام

(۲) اس کی کل جلدیں اگر معلوم ہوں، قوسین میں۔ ورنہ حوالہ کی جلد نمبر

(۳) سن اشاعت،

(۴) مرکزی مقام اشاعت

تیسرا حصہ

(۱) جلد نمبر

(۲) صفحہ نمبر۔

مثلاً:۔

- عبدالمجید سالک: ''آزاد'' ؛ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، لاہور ؛ جلد۱، ص : ۱۱۲۔
- مرتضیٰ احمد خاں، میکش: ''فرید الدین گنج شکر'' ؛ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، لاہور، (جلد۱۰) ۱۹۷۵ء؛ ص : ۳۳۹۔

مشہور انسائیکلوپیڈیاز میں ناشر کا نام دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ، چونکہ ان کی اشاعت مختلف شہروں سے ہوتی ہے، لہٰذا، مرکزی مقام اشاعت کا ذکر ضروری ہے۔

لغات:

لسانیات کے شعبے میں کام کرنے والوں کے لیے بعض اوقات مخصوص لغات کا حوالہ دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جو ترتیب ہوگی وہ حسب ذیل ہے:۔

پہلا حصہ

(۱) مؤلف کا نام

(۲) لغت کا عنوان

دوسرا حصہ

(۱) ناشر

(۲) مرکزی مقام اشاعت

(۳) ضمنی تفصیل

(۴) سن اشاعت

لغات کے سلسلے میں صفحہ نمبر دینے کی ضرورت نہیں، مثلاً:۔

- ارشاد احمد، پنجابی: ''اردو پنجابی لغت'' ؛ مرکزی اردو بورڈ، لاہور ؛ نظر ثانی: عبدالجید بھٹی، ممتاز مفتی؛ ۱۹۷۴ء۔

(۲) غیر مطبوعہ مواد:

مخطوطات:

مخطوطات، دراصل وہ نادر و نایاب تحریریں ہیں جو قلمی صورت میں کسی شخصیت کی ملکیت ہوتی ہیں، یا، کسی لائبریری کا علمی خزینہ — ان کے حوالے کے لیے ترتیب مذکورہ ذیل ہوگی:۔

پہلا حصہ

(۱) مصنف وغیرہ کا نام

(۲) مخطوطے کا عنوان

دوسرا حصہ

(۱) مملوکہ شخصیت کا نام و مقام (مناسب ہو تو پتا)

یا مخزونہ لائبریری کا نام و مقام

(۲) مخطوطہ نمبر

تیسرا حصہ

(۱) سن کتابت (اگر ہو)

(۲) ضمنی تفصیلات: مکمل/ نامکمل/کل صفحات وغیرہ

مثالیں:۔

- مرادشاہ لاہوری: ''دیوان''؛ مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور ؛ نمبر۴۔۸۷، س ن، مکمل۔
- سعات یارخاں: ''معرکۂ خوش زیبا''، کتب خانہ، لکھنو یونیورسٹی، لکھنو ؛ سن کتاب، ندارد۔

غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ جات:

یونیورسٹیوں کے مختلف شعبہ جات میں ایم فل اور پی ایچ۔ڈی کی سطح کے کام ہوتے ہیں۔ان کے حوالے کے لیے ترتیب حسب ذیل ہوگی:۔

پہلا حصہ

(۱) مقالہ نگار کا نام

(۲) مقالے کا عنوان

دوسرا حصہ

(۱) شعبہ

(۲) یونیورسٹی کا نام

(۳) شعبے کی لائبریری یا مرکزی لائبریری

(۴) سن تکمیل

تیسرا حصہ:

(۱) کوئی ضمنی تفصیل (نگران مقالہ وغیرہ)

(۲) صفحہ نمبر

مثلاً:۔

- عبیداللہ خاں :''پریم چند اور ان کا فن'' ؛ غیر مطبوعہ مقالہ: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی لاہور؛ (مرکزی لائبیری) ۱۹۵۶ء ؛ ص : ۲۵۔

- محمد عارف سید: "شاہد احمد دہلوی — حالات و آثار" ؛ غیر مطبوعہ مقالہ: شعبہ اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور (مخزونہ شعبہ کی لائبریری) ۱۹۹۲ء ؛ ص : ۴۵۔
- میمونہ، ڈاکٹر : "بمبئی میں اردو" ؛ غیر مطبوعہ مقالہ، شعبہ اردو بمبئی یونیورسٹی، بمبئی ؛ (مخزونہ مرکزی لائبریری)، ۱۹۶۱ء ؛ ص:۱۹۔

ذاتی خطوط:

ذاتی خطوط میں مذکورہ ذیل معلومات حوالے میں ضروری ہیں:۔

پہلا حصہ

(۱) وہ اہم شخصیت جس کا خط ہے

(۲) وہ مقام جہاں سے خط لکھا گیا

دوسرا حصہ

(۱) مؤلف/مصنف/مرتب وغیرہ جس کے نام خط ہو۔

(۲) خط کی تاریخ، ماہ وسال

مثلاً:۔

- غلام رسول، مہر، لاہور ؛ خط بنام مؤلف ؛ یکم ستمبر ۱۹۵۷ء۔
- مسعود حسن رضوی، ادیب، لکھنؤ ؛ خط بنام مؤلف ؛ یکم جون ۱۹۶۰ء۔

انٹرویوز:

انٹرویو کا بھی تحقیقی مقالات میں حوالہ دیا جاتا ہے، اس میں مندرجہ ذیل وضاحتیں دی جاتی ہیں:۔

پہلا حصہ:

(۱) جس شخصیت کا انٹرویو ہے

(۲) انٹرویو نگار کا نام (کوئی شریک ہے تو اس کا بھی)

(۳) انٹرویو تحریری ہے؟ سمعی ؟ یا بصری؟

دوسرا حصہ:

(۱) انٹرویو کا مقام

(۲) وقت، تاریخ، دن، وقت ماہ و سال

تیسرا حصہ:

(۱) انٹرویو کا ریکارڈ کس کی ملکیت میں ہے؟

مثلاً:۔

- اشرف صبوحی: محمد عارف، سید (تحریری)؛ کوزی ہوم، کراچی ؛ ۵ تا ۷ بجے شام ، ۱۴ر جولائی ۱۹۸۹ء، مملوکہ مؤلف۔
- رئیس امروہوی: قاسم جلال (سمعی) ؛ مملوکہ: قاسم جلال، چیمہ ٹاؤن، بہاول پور۔

باب : دہم

پروف ریڈنگ کے نشانات اور ان کا استعمال

کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد کمپیوٹر سے نکلے ہوئے پہلی مرتبہ کتابت شدہ مواد کو بھی ''پروف'' کہا جاتا ہے۔اس ایجاد سے قبل ، کتابت ،ٹائپ، بلاکس، اور پلیٹ کی مدد سے ''پروف'' حاصل کیے جاتے تھے،اب بھی وہ طریقے مستعمل ہیں ۔لیکن زیادہ تر کمپوزنگ کا کام اب کمپیوٹر ہی سے ہوتا ہے — اور — جس شخص کو اس ''پروف'' کو اصل مسودے سے موازنہ کر کے اس کی صوری و معنوی اصلاح کا کام سونپا جاتا ہے ، اسے ''پروف ریڈر'' کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں اب اردو میں اسی طرح استعمال کی جاتی ہیں۔

''پروف ریڈنگ'' کا فن بڑی باریک بینی چاہتا ہے۔عبارت کی معنویت کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ اور حروف تک کو بغور دیکھنا پڑتا ہے۔اور پھر ، کاتبوں اور کمپوزروں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کو اس کے بنیادی اصول اور نشانات کا پوری طرح علم ہو — اردو میں پروف ریڈنگ کے سلسلے میں مناسب معلومات کا فقدان ہے۔ چنانچہ ، انگریزی کی بیشتر کتب سے استفادہ کرتے ہوئے اس فن سے متعلق اہم معلومات اور اصول وضوابط پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔(۱)

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھیے کہ صرف املا کی غلطیوں ہی کی نشاندہی کا نام پروف ریڈنگ نہیں ہے — بلکہ رموزِ اوقاف کا صحیح استعمال ، درست پیرے ، حروف والفاظ میں مناسب فاصلے، سرخیوں کا ذوق لطیف کے مطابق اہتمام،غرض یہ کہ حسن ظاہری، باطنی کے تمام تر تقاضوں کے مطابق غلطیوں کی نشان دہی اور اصلاح بھی پروف ریڈنگ میں شامل ہے۔

۲۔ مسودہ کی کمپوزنگ بالعموم کالی روشنائی سے کی جاتی ہے۔ پروف ریڈنگ کے لیے دوسرے رنگ کی پنسل، بال پوائنٹ یا پوائنٹر استعمال کیا جائے۔ مثلاً، کتابت کالی روشنائی سے ہو تو پروف ریڈنگ سرخ یا سبز روشنائی وغیرہ سے کیجیے۔تا کہ اصلاح نمایاں اور واضح نظر آئے۔

۳۔ تصحیح نہایت صاف ستھرے انداز میں کیجیے۔اس کے لیے، جیسا کہ پہلے کہا گیا،سرخ یا سبز پوائنٹر استعمال کیا جائے تو بہتر ہے۔

۴۔ غلطیاں جس لائن میں ہوں، اسی کے دائیں بائیں سروں (margins) پر اصلاحی نشانات یا ہدایات دی

جائیں۔ جو غلطی جس سرے سے قریب ہو اس کی اصلاح اسی طرف کی جائے۔

۵۔ تصحیح کے لیے دائیں بائیں جگہ کم ہو تو غلطی کی جگہ سے لے کر کاپی میں جس جگہ بھی گنجائش ہو، وہاں تک ترچھی یا ٹیڑھی لائن صفائی سے اس جگہ تک ڈال دیجئے، جہاں تصحیح کی جا رہی ہو، البتہ لائن کے آخر میں تیر کی نوک کا نشان بنا دیجئے۔ یوں:۔ ←————
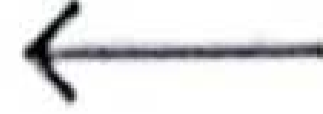
۶۔ پروف کی تصحیح کر کے اگر آپ مطمئن ہیں کہ اب غلطی کا امکان نہیں ہے تو اس پر انگریزی میں تو "Print off" لکھا جاتا ہے، لیکن اردو میں ''حتمی اصلاح کر دی گئی'' کے الفاظ لکھ دیجئے ــــ اگر آپ کو خیال ہے کہ مزید غلطیاں نکل سکتی ہیں تو اس پر ''پہلا پروف'' لکھیے ــــ دوسری مرتبہ پڑھ کر درست کیا گیا ہو تو ''دوسرا پروف'' اور بالآخر ''حتمی اصلاح کر دی گئی'' یا ''فائنل پروف'' کے الفاظ لکھ دیجئے۔

۷۔ پروف کو ہر مرحلے پر فوراً پرنٹر کے حوالے کیجئے، تاکہ کام تیزی سے جاری رہے۔

۸۔ عام طور پر فل سکیپ سائز کے کاغذ پر اردو میں دائیں طرف ایک انچ کا حاشیہ چھوڑا جاتا ہے۔ پھر 'پروف' میں یہ حاشیہ دونوں طرف ہوگا، نیز کاغذ کے نیچے اور اوپر بھی ایک ایک انچ جگہ چھوڑنی چاہیے ــــ تاہم جب مواد کی تصحیح مکمل ہو جانے کے بعد چھاپے کے لیے بٹر پیپر پر تیار ہو تو اس وقت کے چہار اطراف کے فاصلے کا اہتمام یوں ہوگا:۔

الف: دائیں طرف ڈیڑھ انچ، تاکہ جلد بندی کا حق بھی اس میں شامل ہو۔

ب: بائیں طرف، تین حروف تک کے بقدر فاصلہ چھوڑنا ہے، تاکہ کتاب کے کاغذ کے سروں کے کٹ پھٹ یا گھس جانے پر حروف ضائع نہ ہوں۔

ج۔ پیراگراف کہاں سے شروع ہونا چاہیے، اس سلسلے میں ایک اصول پیش نظر رکھیے، وہ یہ کہ حاشیے اور درمیان صفحے کے درمیان سے پیراگراف شروع کیجیے ــــ نمبر شمار لکھنا ہو، تو، وہ حاشیے اور پیرے کے درمیان میں لکھیے۔ حاشیے، پیراگراف اور نمبر شمار کی جگہوں کی تعین کے لیے ذیل میں ایک صفحے پر اس کی پیمائشوں کی نشاندہی کی جا رہی ہے:۔

(۵)		(۱) + (۳) +(۴)	(۲)

نصف صفحہ

(۱) حاشیہ — بقدر ایک انچ (۲)

(۳) پیرے کے آغاز کا مقام۔ (حاشیہ اور نصف صفحے کے درمیان سے)

(۴) نمبر شمار — پیرے اور حاشیے کے درمیان سے۔

(۵) بائیں طرف جگہ چھوڑی جائے، بقدر آدھا انچ

اب لیجئے، پروف ریڈنگ کے نشانات۔ ان کے لیے دو قسم کے نشانات استعمال کیے جاتے ہیں:۔

الف: ایک وہ نشانات جو پروف/مسودے میں غلطی کے صحیح مقام کی نشاندہی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

ب: دوسرے نشانات وہ ہیں جو اسی لائن کے دائیں بائیں سروں (margins) پر تصحیح کی ہدایات کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں، کہ اس جگہ غلطی کی اصلاح کیسے اور کیوں کر کی جائے۔

پروف میں کسی حرف، الفاظ یا ان کے درمیان کسی غلطی کی نشاندہی کے لیے سب سے اہم نشان ایک ایسی تکون کا سا ہوتا ہے جس کا افقی خط نہیں ہوتا۔ بلکہ، صرف دو لائنیں اوپر کی طرف مل کر اردو کے آٹھ کے ہندسے کی طرح ایک نوک بناتی ہیں، ایسے:۔ " ٨ "

بعض اوقات دو لفظوں کے درمیان کسی محذوف حرف، لفظ یا کسی اور غلطی کی نشاندہی کے لیے مذکورہ تکون کے بائیں خط کو تھوڑا سا اوپر بڑھا دیا جاتا ہے، ایسے:۔ " ٨ "

اس کا مقصد باریک جگہ کا صحیح تعین کر کے پروف ریڈر کے لیے سہولت پیدا کرنے ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ جو نشانات استعمال کیے جاتے ہیں مسودے میں اور ان کے سروں پر نیز ان کا مقصد اور معانی و مفاہیم کی انہیں ان کو ایک انڈکس کے ذریعے دکھایا جا رہا ہے:۔

کاپی پر نشان	سرے پر نشان	سرے پر نشان کا مطلب
=		نشان زدہ الفاظ برعکس کر دیں۔
خط زیریں		کاپی میں خط کشیدہ الفاظ یا لفظ نکال دیں۔
...... ^	(صحیح لفظ)	سرے پر لکھے ہوئے صحیح لفظ کو نشان زدہ جگہ پر لکھیئے۔
...... ^	کاپی دیکھیے	نشان زدہ جگہ پر مواد رہ گیا، کاپی دیکھ کر لکھیئے۔
...... ^		مواد حذف کر کے بقیہ عبارت قریب کی جائے۔
...... ^		الفاظ کے درمیان فاصلہ درست کیجئے۔
...... ^	نیا مواد	نشاندہی کی جگہ نیا مواد آئے گا۔
...... ^	متبادل حرف یا لفظ	اس جگہ سرے پر دیا ہوا متبادل لفظ یا حرف آئے گا۔
...... ^	(۔)	یہاں ختمے (Ful stop) کی علامت لگائیے۔
...... ^	،	یہاں پر سکتے (comma) کی علامت لگائیے۔

...... ⋏	(:)	رابطے کی علامت لگائیے۔
...... ⋏	(-:)	نشان زدہ جگہ پر تفصیلے کی علامت لگائیے۔
...... ⋏	؛/	وقفے (Semi colon) کی علامت لگائیے۔
...... ⋏ ...... ⋏	" "	نشان زدہ الفاظ پر واوین کی علامت لگائیے۔
...... ⋏ ...... ⋏	( )	نشان زدہ الفاظ کے گرد قوسین لگائیے۔
...... ⋏	کوئی اور علامت	رموزِ اوقاف کی جو علامت رہ گئی، جس کی علامت سرے پر ہے وہاں وہ لگائیے۔
...... ⚲	×	دائرے میں لفظ زاید ہے، ختم کر دیجئے۔
...... ⋏	⌐	یہاں سے نیا پیرا شروع کیجئے۔
...... ⊂	⊂	منقطع لائنیں جوڑ کر ایک ہی پیرا بنادیں۔
...... ⋏	Y	الفاظ یا حروف کے درمیان فاصلہ بڑھائیں۔
...... ⋏	⌒	الفاظ یا حروف کے درمیان فاصلہ کم کیجئے۔
...... ⋏	X	الفاظ یا حروف کے درمیان فاصلہ برابر رکھیے۔

نشانات کی مدد سے اصلاح کی عملی مثال

اچانک پن کی یہ کیفیت دراصل جذبات ایک کا منطقی خاصہ ہے۔ نتیجہ لہٰذا،
نجائیہ کا لفظ اس علامت کے تحیر و احساس کے اظہار کے جذبہ اظہار معنی کا احاطہ
کرنے کے لیے وضع کیا گیا۔ لیکن ، ظاہر ہے یہ پہلو کی پہلو ہے۔ جو خطاب اور جذبے
دونوں کی عکاسی کرے۔ کوئی اصطلاح اب تک سامنے نہیں آئی۔
!ـــ حکیم صاحب کی مسیحائی، سبحان اللہ یہ سارا قبرستان انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔
یہاں "حکمت" اور "العلم" واوین میں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ دونوں الفاظ
بالترتیب مخالفت اور جھوٹ کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔
اگر سوال اور جذبہ دونوں کا تاثر برابر ہو، تو دونوں علامتیں ہی استعمال کی جائیں
گی۔ مثال نہ معلوم سامان نکل گیا یا زمین کھا گئی؟! اس کا کہیں پتہ نہیں۔

حاشیے میں: خبریہ، نتیجہ، الظہار، ایک، ایسی، پالکسس، منافقت، ؟ــ ایسے، × × × ×

رموزِ اوقاف کی مشقیں عملی مثالوں کے ساتھ

رموزِ اوقاف کے بغیر عبارت:

اس رات چیت پور روڈ سے جانے کے بعد ابوالمنصور کمال رضا بہادر صاحب جب گارڈن ریچ پہنچے جہاں مٹیا برج میں ان کا مکان تھا تو اپنے پلنگ پر لیٹتے ہوئے انہیں خیال آیا کیسی عجیب بات ہے کہ انسان صرف ایک مرتبہ دنیا میں آتا ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے زندگی صرف ایک دفعہ ہی رہنے کے لیے ملتی ہے انسان مرجاتا ہے پھر کبھی اس دنیا کو نہیں دیکھ پاتا جیسے شاہ زمن غازی الدین حیدر مرے تھے اور نصیر الدین حیدر محمد علی اور امجد علی ان سب کو مرتے نواب کمن نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یہ لوگ جو اودھ پوری کے راجہ تھے یہ سب موت آئی تو پٹ سے ختم ہو گئے اور بے چارے سلطان عالم واجد علی پڑوس کی رادھا منزل میں اندر سبھا منعقد کروا کے خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے کہ ابھی قیصر باغ ہی میں موجود ہیں ایک روز وہ بھی ختم ہو جائیں گے تخت شاہی ہو یا غریب الوطنی انتہائی مسرت ہو یا شدید رنج و غم موت آ کر سارا قصہ ہی چکا دیتی ہے جانے مرنے کے بعد کیا حشر ہوتا ہوگا فشار قبر اور منکر نکیر اور اور یہ سب سوچتے سوچتے نواب کمن کو بے حد ڈر معلوم ہوا انہوں نے تکیے سے سر اٹھا کر گھر والوں کو آواز دینا چاہی انہوں نے پلنگ سے اٹھنا چاہا مگر پیچھے کو گر گئے کیونکہ کربلائے معلّٰی کا سفر کرنے کے بجائے نواب کمال رضا سفرِ آخرت اختیار کر چکے تھے۔

رموزِ اوقف کے بعد:۔

اس رات، چیت پور روڈ سے جانے کے بعد ، ابوالمنصور کمال رضا بہادر صاحب جب ''گارڈن ریچ'' پہنچے، جہاں مٹیا برج میں ان کا مکان تھا، تو، اپنے پلنگ پر لیٹتے ہوئے انہیں خیال آیا: کیسی عجیب بات ہے کہ انسان صرف ایک مرتبہ دنیا میں آتا ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے! زندگی صرف ایک دفعہ ہی رہنے کے لیے ملتی ہے ! انسان مرجاتا ہے، پھر کبھی اس دنیا کو نہیں دیکھ پاتا۔ جیسے، شاہ زمن غازی الدین حیدر مرے تھے — اور نصیر الدین حیدر — اور محمد علی — اور امجد علی — ان سب کو مرتے، نواب کمن نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ لوگ جو اودھ پوری کے راجہ تھے، یہ سب، موت آئی تو پٹ سے ختم ہو گئے۔ اور بے چارے سلطان عالم واجد علی!؟ — پڑوس کی ''رادھا منزل'' میں اندر سبھا منعقد کروا کے خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے کہ ابھی ''قیصر باغ'' ہی میں موجود ہیں — ایک روز وہ بھی ختم ہو جائیں گے ! تخت شاہی ہو یا غریب الوطنی، انتہائی مسرت ہو یا شدید رنج و غم ، موت آ کر سارا قصہ ہی چکا دیتی ہے — جانے، مرنے کے بعد کیا حشر ہوتا ہوگا؟! فشار قبر اور منکر نکیر اور — اور — یہ سب سوچتے سوچتے نواب کمن کو بے حد

ڈر معلوم ہوا۔ انہوں نے تکیے سے سر اٹھا کر گھر والوں کو آواز دینا چاہی۔ انہوں نے پلنگ سے اٹھنا چاہا مگر پیچھے کو گر گئے۔
کیونکہ ، کربلائے معلٰی کا سفر کرنے کے بجائے ، نواب کمال رضا سفر آخرت اختیار کر چکے تھے!
(آگ کا دریا — ص : ۱۹۷۔۱۹۸)

....

رموزِ اوقاف کے بغیر عبارت:

سرسید کی وفات کے بعد ان کی انشاء پردازی پر ایک مضمون لکھنے کی فرمائش کالج کی طرف سے کی گئی چنانچہ مولانا شبلی نے علی گڑھ کالج میگزین کے لیے ایک مضمون لکھا اس کے اخیر میں فرماتے ہیں یہ کام درحقیقت مولانا حالی کا ہے وہ لکھیں گے اور خوب لکھیں گے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ لکھ چکے ہیں اور خوب لکھا ہوگا میں کالج کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا اس وقت جب کہ تمام ملک میں سرسید کا آوازہ ماتم گونج رہا ہے اور ہر شخص ان کے کارناموں کے سننے کا شائق ہے کچھ نہ کچھ مختصر طور پر فوراً لکھنا چاہیے میں نے اس کی تعمیل کی ورنہ میں مولانا حالی کی مقبوضہ سرزمین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رکھتا اور اس شعر کا مصداق بننا نہیں چاہتا بھلا تردد بے اس میں کیا حاصل اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو مقالاتِ شبلی جلد دوم ص ۲۶۔

رموزِ اوقاف کے بعد:۔

سرسید کی وفات کے بعد ، ان کی انشاء پردازی پر ایک مضمون لکھنے کی فرمائش کالج کی طرف سے کی گئی۔
چنانچہ ،مولانا شبلی نے ''علی گڑھ کالج میگزین'' کے لیے ایک مضمون لکھا۔ اس کے اخیر میں فرماتے ہیں:۔

''یہ کام درحقیقت مولانا حالی کا ہے وہ لکھیں گے، اور خوب لکھیں گے، بلکہ، یہ کہنا چاہیے کہ لکھ چکے ہیں — اور — خوب لکھا ہوگا! میں کالج کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا۔اس وقت، جب کہ تمام ملک میں سرسید کا آوازۂ ماتم گونج رہا ہے، اور ہر شخص ان کے کارناموں کے سننے کا شائق ہے ، کچھ نہ کچھ ، مختصر طور پر ، فوراً لکھنا چاہیے۔ میں نے اس کی تعمیل کی۔ ورنہ ، میں مولانا حالی کی مقبوضہ سرزمین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اور ، اس شعر کا مصداق بننا نہیں چاہتا:۔

بھلا ، تردد بے جا سے ، اس میں کیا حاصل ؟
اٹھا چکے ہیں زمیندار ، جن زمینوں کو !''

(مقالاتِ شبلی : جلد۲ ، ص : ۲۶۔)
(مضامین اختر جوناگڑھی ۔ ص : ۳۱۶۔)

رموزِ اوقاف کے بغیر عبارت:

اس کے ساتھ شبلی کے قومی اور تعلیمی اشغال اور تصنیف و تالیف کی اہم مصروفیات بھی کم شعر کہنے کا موجب ہو سکتے ہیں چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ندوہ کی جھنجھٹ اور شاعری ساتھ چلنے کی چیزیں نہیں ہیں بہر حال چارہ بھی نہیں ندوہ فرض منصبی مذہبی اور شاعری فرض طبعی کس کو چھوڑوں پھر انہیں پر موقف نہیں ایک دل و ہزار سودا بایں ہمہ یہ فریضہ طبعی برابر کام لیتا رہا اور آخر کار مولانا کی دقیقہ رس اور نکتہ سنج طبیعت نے اس فریضہ طبعی کی ادائیگی کے لیے ایک نیا میدان تلاش کر لیا اور ایک نئی صنف سخن میں طبع آزمائی شروع کر دی اس طرح ان کی شاعری کے وہ جوہر کھلے جو ایک فطری اور حقیقی شاعر کی طبیعت میں مضمر ہوا کرتے ہیں قصیدہ و غزل کی پامال روش وقف اغیار تھی قومی شاعری میں حالی اپنا سکہ جما چکے تھے اس لیے انہوں نے واقعاتی شاعری کو انتخاب کیا اور قومی و سیاسی معاملات پر قطعات لکھنے شروع کیے۔

رموزِ اوقاف کے بعد عبارت:

اس کے ساتھ شبلی کے قومی اور تعلیمی اشغال اور تصنیف و تالیف کی اہم مصروفیات بھی، کم شعر کہنے کا موجب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''ندوہ کی جھنجھٹ اور شاعری ، ساتھ چلنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ بہر حال ، چارہ بھی نہیں۔ ندوہ — فرضِ منصبی مذہبی ، اور، شاعری — فرض طبعی۔ کس کو چھوڑوں؟ پھر، انہی پر موقوف نہیں: ایک دل و ہزار سودا۔''

بایں ہمہ، یہ 'فریضہ طبعی' برابر کام لیتا رہا۔ اور ، آخر کار ، مولانا کی دقیقہ رس اور نکتہ سنج طبیعت نے اس ''فریضہ طبعی'' کی ادائیگی کے لیے ایک نیا میدان تلاش کر لیا۔ اور ، ایک نئی صنف سخن میں طبع آزمائی شروع کر دی۔ اس طرح، ان کی شاعری کے وہ جوہر کھلے جو ایک فطری اور حقیقی شاعر کی طبیعت میں مضمر ہوا کرتے ہیں۔ قصیدہ و غزل کی پامال روشِ وقفِ اغیار تھی ؛ قومی شاعری میں حالؔی اپنا سکہ جما چکے تھے ، اس لیے انہوں نے واقعاتی شاعری کو انتخاب کیا۔ اور ، قومی و سیاسی معاملات پر قطعات لکھنے شروع کیے۔

(''مضامینِ اختر'' جونا گڑھی، ص : ۳۱۷۔)

....

رموزِ اوقاف کے بغیر عبارت:

آب حیات کے اس تحقیقی مطالعے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آزاد کی غلطیاں چن چن کر بیان کی جائیں ان کی تحقیق میں کیڑے ڈالے جائیں اور ان کے کمال کی نفی کی جائے محقق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ کسی تصنیف کو اصل حالت میں دیکھنے

اور دکھانے کی کوشش کرے حقیقت کی تلاش سے عظمت کی نفی نہیں ہوتی یہ صحیح ہے کہ آزاد کی تحقیق میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن ان خامیوں کے باوجود آب حیات کی حیثیت اردو ادب میں مسلم ہے یہ بھی صحیح ہے کہ آزاد نے تحقیق کو تخلیق کا روپ عطا کرنے کے لیے تخیل کی رنگ آمیزیوں سے بھی کام لیا ہے مگر ان کی اس کوشش نے آب حیات کی مقبولیت اور دلچسپی میں بہت اضافہ کر دیا ہے

رموزِ اوقاف کے بعد عبارت:

''آبِ حیات'' کے اس تحقیقی مطالعے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آزاد کی غلطیاں چن چن کر بیان کی جائیں ؛ ان کی تحقیق میں کیڑے ڈالے جائیں ، اور ان کے کمال کی نفی کی جائے۔ محقق کا کام صرف یہ ہے کہ : وہ کسی تصنیف کو اصل حالت میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کرے —— حقیقت کی تلاش سے عظمت کی نفی نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ آزاد کی تحقیق میں بہت سی خامیاں ہیں، لیکن، ان خامیوں کے باوجود ''آبِ حیات'' کی حیثیت اردو ادب میں مسلم ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ آزاد نے ''تحقیق'' کو ''تخلیق'' کا روپ عطا کرنے کے لیے تخیل کی رنگ آمیزیوں سے بھی کام لیا ہے — مگر، ان کی اس کوشش نے ''آبِ حیات'' کی مقبولیت اور دلچسپی میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔

(محمد حسین آزاد ، ص : ۳۳۱۔)

رموزِ اوقاف کی مشق کے لیے عبارتیں

(۱) جانتے ہو جس چیز نے شہنشاہوں کے ارادوں کو کمزور بنا دیا ان کی حکومت کے تخت کو الٹ دیا ان کے عالی شان محلوں کو خاک میں ملا دیا وہ کیا ہے بزدلی محض بزدلی یاد رکھو جو شخص ایک بار بھی بزدلی کا شکار ہو گیا اس پر خدا کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے اس کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے نور کی جگہ ظلمت ہدایت کی جگہ ضلالت اس کی حصے میں آئی یہ بزدلی ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ ہم میں ہر طرح کی ذلت خاموشی سے برداشت کرنے کا مادہ پیدا کر دیتی ہے ایک بار اس حالت کے پیدا ہو جانے کے بعد ہم ہر طرح کی توہین خواری اور بے عزتی کا بوجھ خوشی خوشی اٹھانے کو تیار ہو جاتے ہیں اگر خوشی سے انہیں نہیں بھی جھیلیں تو صبر کے ساتھ انہیں برداشت کرنا بہادری تصور کرنے لگتے ہیں بزدل کو ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے ہیں لیکن وہ جن کے ارادے بلند جن کے عزم مستحکم ہیں جن کی رگوں میں شجاعت کا خون ٹھنڈا نہیں پڑا ہے جو دنیا میں ذلت کی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتے ہیں وہی ہیں جو دنیا میں سرخ رو اور کامران ہیں موت کا سرخ لباس تلواروں کی چھاؤں میں انہیں صرف ایک بار ہی پہننا پڑتا ہے مگر ان کی یاد جیتی دنیا تک باقی رہتی ہے

(۲) کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی اور کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو میں تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا خدا کا احسان ہے کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ اطراف و جوانب سے دو چار خط نہ آ رہتے ہوں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے یہ کیا سبب کہ دس بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا یعنی تم نہیں آئے خط لکھو صاحب نہ لکھنے کی وجہ لکھو آدھ آنے میں بخل نہ کرو ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔

(۳) دنیا میں تعلقات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ تعلق ہے جس پر ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ہماری بہتری اور فلاح کے لیے گویا خود ہی انہیں متعین کر دیا ہے مثلاً باپ کا تعلق بیٹے سے بھائی کا بہن سے چچا کا بھتیجے سے دوسری قسم کے وہ تعلقات ہیں جو ہماری پسند اور مرضی پر منحصر ہیں ان تعلقات کو ہم بغیر کسی مجبوری کے خود پیدا کرتے ہیں اور ان کو قائم رکھنا یا نہ رکھنا محض ہمارے رائے پر موقوف ہوتا ہے ایک دوسرے کے ساتھ شناسائی اور ملاقات میل جول اور اتحاد اسی دوسرے قسم کے تعلقات میں داخل ہیں اور ان سب میں اعلیٰ مرتبہ اس تعلق کو حاصل ہے جسے ہم دوستی کے نام سے موسوم کرتے ہیں دوست سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ ہمارا دلی اتحاد ہو

جس کی صحبت میں ہمیں بیٹھنے کی ہر وقت آرزو رہے وہ ہم کو دیکھنے سے خوش ہو ہم اس کو دیکھنے سے نہ ہمارے راز اس سے پوشیدہ ہوں نہ اس کے راز ہم سے وہ ہمارے صلاح ومشورے کا محتاج ہو اور ہم اس کے صلاح ومشورے کے۔

(۴) پھر ایک روز قدیر کو کیا سوجھی کہ کیمرہ لوں گا انگریزی رسالے گھر میں سب کو دکھاتے پھرے اے بیٹا اے بیگم صاحب یہ کیمرہ کتنے کا ہے پوچھو میاں قدیر تم کیمرہ کیا کرو گے بیگم صاحب پھوٹو کھینچا کروں گا خدائے سے مجھے پھوٹوگرانی کا بہوتے شوق ہے پھر قدیر نے اپنی تنخواہ میں سے پیسہ بچا بچا کر ڈیرہ سو روپے کا کیمرہ تقسیم سے پہلے کا ذکر ہے منگوایا اور تین ٹانگوں والا اسٹینڈ اور مورا اور محل والے پردے اب دونوں میاں بی بی نے شاگرد پیشے کے آگے سرکنڈے کھڑے کرکے باقاعدہ سٹوڈیو بنایا اور گھر بھر کی تصویریں کھینچنی شروع کردیں۔ (آگ کا دریا)

(۵) کلیم نے دروازے پر دستک دی دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں ایک نے پوچھا کون صاحب ہیں اتنی رات گئے کیا کام ہے کلیم جاؤ مرزا کو بھیج دو ایک لونڈی کون مرزا کلیم ظاہردار بیگ جن کا یہ مکان ہے اور کون مرزا لونڈی یہاں کوئی ظاہردار بیگ نہیں رہتے کلیم کیا یہ جمعدار صاحب کی محل سرا نہیں ہے لونڈی ہے کیوں نہیں کلیم پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی ظاہردار بیگ نہیں رہتے کیا ظاہردار بیگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں لونڈی جمعدار کے وارثوں کو خدا اسلامت رکھے موا ظاہردار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا کون دوسری لونڈی اری کمبخت یہ کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں وہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بتایا کرتا ہے کلیم کی طرف مخاطب ہو کر کیوں میاں وہی ظاہردار بیگ ناں جن کی رنگت زرد زرد ہے آنکھیں کرنجی چھوٹا قد دبلا ڈیل اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہتے ہیں کلیم ہاں ہاں وہی ظاہردار بیگ لونڈی تو یہاں اس مکان کے پچھواڑے اپلوں کے پاس ایک چھوٹا سا مکان ہے وہ اسی میں رہتے ہیں توبۃ النصوح

مشقوں کا حل

(۱) جانتے ہو ، جس چیز نے شہنشاہوں کے ارادوں کو کمزور بنا دیا؛ ان کی حکومت کے تخت کو الٹ دیا؛ ان کے عالی شان محلوں کو خاک میں ملا دیا ، وہ کیا ہے؟ بزدلی ـــــ محض بزدلی ۔ یاد رکھو! جو شخص ایک بار بھی بزدلی کا شکار ہو گیا ، اس پر خدا کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے ؛ اس کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے ؛ نور کی جگہ ظلمت ، ہدایت کی جگہ ضلالت اس کے حصے میں آئی ۔ یہ بزدلی ہی کا کرشمہ ہے کہ وہ ہم میں ہر طرح کی ذلت برداشت کرنے کا مادہ پیدا کر دیتی ہے۔ ایک بار اس حالت کے پیدا ہو جانے کے بعد ، ہم ہر طرح کی توہین، خواری اور بے عزتی کا بوجھ خوشی خوشی اٹھانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر ، خوشی سے انہیں نہ بھی جھیلیں ، تو صبر کے ساتھ انہیں برداشت کرنا بہادری تصور کرنے لگتے ہیں۔ بزدل کو ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے ہیں ـــ لیکن ــــ وہ جن کے ارادے بلند ؛ جن کے عزم مستحکم ہیں ؛ جن کی رگوں میں شجاعت کا خون ٹھنڈا نہیں پڑا ہے ؛ جو دنیا میں ذلت کی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتے ہیں، وہی ہیں جو دنیا میں سرخ رو اور کامران ہیں! موت کا سرخ لباس تلواروں کی چھاؤں میں انہیں صرف ایک بار ہی پہننا پڑتا ہے ، مگر ان کی یاد جیتی دنیا تک باقی رہتی ہے۔

(۲) کیوں صاحب! روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی؟ اور، کسی طرح نہیں منتے، تو روٹھنے کی وجہ لکھو! ـــ میں تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔ یعنی: جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ اطراف و جوانب سے دو چار خط نہ آ رہتے ہوں۔ بلکہ ، ایسا بھی ہوتا ہے دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔ دن، ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب؟ کہ دس بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا ــــ یعنی تم نہیں آئے ؟! خط لکھو صاحب! نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آنے میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے ، تو بیرنگ بھیجو۔

(۳) دنیا میں تعلقات دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک تو وہ تعلق ہے جس پر ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے ، اللہ تعالیٰ نے ہماری بہتری اور فلاح کے لیے گویا خود ہی انہیں متعین کر دیا ہے۔ مثلاً، باپ کا تعلق بیٹے سے؛ بھائی کا بہن سے؛ چچا کا بھتیجے سے ــــ دوسری قسم کے وہ تعلقات ہیں جو ہماری پسند اور مرضی پر منحصر ہیں ــــ ان تعلقات کو ہم، بغیر کسی مجبوری کے، خود پیدا کرتے ہیں ــــ اور ــــ ان کو قائم رکھنا یا نہ رکھنا، محض ہماری رائے پر

موقوف ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ شناسائی اور ملاقات ، میل جول اور اتحاد اسی دوسرے قسم کے تعلقات میں داخل ہیں — اور — ان سب میں اعلیٰ مرتبہ اس تعلق کو حاصل ہے جسے ہم ''دوستی'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ دوست سے مراد وہ شخص ہے، جس کے ساتھ ہمارا دلی اتحاد ہو؛ جس کی صحبت میں ہمیں بیٹھنے کی ہر وقت آرزو رہے ؛ وہ ہم کو دیکھنے سے خوش ہو، ہم اس کو دیکھنے سے؛ نہ ہمارے راز اس سے پوشیدہ ہوں، نہ اس کے راز ہم سے؛ وہ ہمارے صلاح و مشورے کا محتاج ہو، اور ہم اس کے صلاح و مشورے کے۔

(۴) پھر ایک روز قدیر کو کیا سوجھی کہ: ''کیمرہ لوں گا!'' —— انگریزی رسالے گھر میں سب کو دکھاتے پھرے — ''اے بیٹا! اے بیگم صاحب! —— ''یہ کیمرہ کتنے کا ہے؟'' —— پوچھو!؟ میاں قدیر! تم کیمرہ کیا کرو گے؟ —— بیگم صاحب! ''پھوٹو کھینچا کروں گا۔ خدائے سے! پھوٹوگرافی کا بہوتے شوق ہے۔'' پھر، قدیر نے اپنی تنخواہ میں سے پیسہ بچا بچا کر ڈیرہ سو روپے کا کیمرہ [تقسیم سے پہلے کا ذکر ہے] منگوایا —— اور تین ٹانگوں والا اسٹینڈ، اور موراور محل والے پردے۔ اب دونوں میاں بی بی نے شاگرد پیشے کے آگے سرکنڈے کھڑے کر کے باقاعدہ سٹوڈیو بنایا، اور، گھر بھر کی تصویریں کھینچنی شروع کر دیں۔

(آگ کا دریا)

(۵) کلیم نے دروازے پر دستک دی۔ دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں۔ ایک نے پوچھا: ''کون صاحب ہیں؟ اتنی رات گئے، کیا کام ہے؟''

کلیم: جاؤ، مرزا کو بھیج دو۔

ایک لونڈی: کون مرزا؟

کلیم: ظاہر دار بیگ، جن کا یہ مکان ہے۔ اور کون مرزا؟!

لونڈی: یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں رہتے۔

کلیم: کیا یہ جمعدار صاحب کی محل سرا نہیں ہے؟

لونڈی: ہے کیوں نہیں ! ؟

کلیم: پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں رہتے، کیا ظاہر دار بیگ، جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں؟

لونڈی: جمعدار کے وارثوں کو خدا سلامت رکھے! موا، ظاہر دار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا کون؟!

دوسری لونڈی: اری کمبخت! یہ کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں؟ وہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بتایا کرتا ہے۔

(کلیم کی طرف مخاطب ہو کر)

کیوں میاں! وہی ظاہر دار بیگ ناں؟ جن کی رنگت زرد زرد ہے، آنکھیں کرنجی، قد چھوٹا، دبلا ڈیل، اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہتے ہیں؟

کلیم: ہاں، ہاں! وہی ظاہر دار بیگ۔

لونڈی: تو، یہاں، اس مکان کے پچھواڑے، اپلوں کے پاس ایک چھوٹا سا مکان ہے، وہ اسی میں رہتے ہیں۔ (توبۃ النصوح)

ماخذ و مراجع

(۱) غلام حسین ذوالفقار: ''اردو میں رموزِ اوقاف کا استعمال اور تجاویز'' ؛ مشمولہ: ''روداد سیمینار'' ؛ مرتبہ: اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد ؛ نومبر ۱۹۸۵ء ، ص : ۲۶۔

(۲) ممتاز منگلوری : ''اردو میں رموزِ اوقاف کا استعمال اور تجاویز'' ؛ مشمولہ: ''روداد سیمینار''، مرتبہ اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ؛ ۱۹۸۵ء ، ص : ۲۲۵۔

(۳) محمد احسن خان : ''اردو میں رموزِ........'' ایضاً ؛ ص : ۲۰۰۔

(۴) ممتاز منگلوری : — ایضاً — ص : ۲۲۸۔

(۵) محمد احسن خاں : — ایضاً — ص : ۱۹۹۔

باب اوّل

(۱) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں: ''جامع القواعد'' (حصہ نحو)، مطبوعہ : ۱۹۷۳ء ۔ بحوالہ مضمون مشمولہ: ''رودادِ سیمینار'' ۔ ص : ۱۸۳۔

(۲) محمد احسن خان: ''اردو میں رموزِ اوقاف'' مشمولہ ''روداد سیمینار'' ۱۹۸۵ء ، ص : ۱۸۳۔

(۳) — ایضاً — ص : ۱۸۳۔

(۴) سرسیّد احمد خان: ''علامات قرأت'' مشمولہ: ''تہذیب الاخلاق''، جلد پنجم ، ۱۸۷۴ء ، ص: ۱۶۵۔۱۶۹

(۵) محمد احسن خان : ''اردو میں رموزِ اوقاف'' ،مشمولہ: ''روداد سیمینار''، ۱۹۸۵ء ، ص : ۱۹۰۔

(۶) رشید حسن خاں : ''اردو املا'' ، قومی کونسل برائے فروغ اردو ، حکومت ہند دہلی، ۱۹۹۸ء ، ص:۵۴۸۔

(۷) اعجاز راہی : مرتب ''روداد سیمینار''، ۱۹۸۵ء ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ، ۱۹۸۶ء۔

باب دوم

(۱) مولوی عبدالحق : ''قواعد اردو'' ؛ ص: ۳۱۶۔

(۲) بن جانسن : "English Grammer" ؛ (۱۶۱۷ء) مطبوعہ: ۱۶۴۰؛ بحوالہ
ایرک پٹیرج: "You have a point" ؛ مطبوعہ ۱۹۵۳ء ، ص: ۳۔

(۳) ''انسائیکلوپیڈیا برطانیکا''، والیوم ۱۵ ؛ ۱۹۷۳ء ، ص: ۲۷۳۔

(۴) اے۔آر۔انجم : "Polymer English Grammer" ؛ لاہور ، ص: ۱۷۴۔

(۵) ایرک پیٹرج: "You have a point" ؛ لندن ، ۱۹۵۳ء ؛ ص: ۸۔

(۶) لانگ مین: "Dictionary of English Language" ؛ مطبوعہ ۱۹۸۱ء ؛ ص: ۱۱۹۸۔

(۷) دی امریکن ہیریٹیج:"Dictionary of English Language" ؛ مطبوعہ ہوسٹن موفلن کمپنی باسٹن ؛ ۱۹۶۹ء(ا)؛ ص:۱۰۶۰۔

باب سوم

(۱) منشی غلام محمد : "نجوم العلامات" ؛ مطبوعہ بمبئی ، ۱۸۷۲ء ؛ بحوالہ: غلام حسین ذوالفقار: "روداد سیمینار" ص : ۲۰۲۔

(۲) سرسیّد احمد خاں : "علامات قرأت" ، مشمولہ: "تہذیب الاخلاق" جلد (۵) ، یکم رمضان ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء ؛ ص :۱۶۵ تا ۱۶۹ ۔ بحوالہ: "منتخب مقالات"، مرتبہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی : "مقتدرہ" اسلام آباد ، ۱۹۸۶ء ؛ ص : ۱۶۷ تا ۱۷۹۔

(۳) علی اصغر چوہدری: "معلومات قرآن" ؛ مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور ؛ (اشاعت چہارم) اکتوبر ۱۹۸۴ء ؛ ص : ۲۰ ، ۲۱۔

(۴) محمد صدیق شبلی : مشمولہ : "روداد سیمینار" ؛ ۱۹۸۵ء ، ص : ۱۶۰

(۵) ایرک پیٹرج: "You have a point" ؛ لندن ، ۱۹۵۳ء ؛ ص: ۷۹۔

(۶) — ایضاً — ص : ۶۔

باب چہارم

(۱) تہذیب الاخلاق ، جلد پنجم ؛ یکم رمضان ۱۲۹۱ھ ؛ بحوالہ:"منتخب مقالات" ، مرتبہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی؛ مقتدرہ ، اسلام آباد ؛ ۱۹۸۶ء ، ص : ۱۷۸ ، ۱۷۹۔

(۲) "روداد سیمینار" ۱۹۸۵ء ، مرتبہ : اعجاز راہی ، اسلام آباد ، ص : ۱۹۰۔

(۳) — ایضاً — ص : ۵۴۸۔

(۴) — ایضاً — ص : ۱۹۶۔

(۵) — ایضاً — ص : ۱۹۶۔

(۶) — ایضاً — ص : ۲۰۳-۲۰۴

(۷) برجوہن دتاتریہ : ''کیفیہ'' ؛ مکتبہ معین الادب، لاہور، (طبع دوم)، مارچ ۱۹۵۱ء، ص: ۳۵۰-۳۵۱-

(۸) ''روداد سیمینار''، مرتبہ اعجاز راہی ؛ اسلام آباد ، ص : ۱۵۹-

(۹) ''اردو لغت'' ، (جلد اوّل-الف مقصورہ) ترقی اردو بورڈ کراچی ، مارچ ۲۰۰۶ء ، ص : ظ-

بابِ ہفتم

(۱) ''رودادِ سیمینار'' ؛ ص : ۲۲۵-

(۲) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا : جلد ۱۵ ؛ ۱۹۷۳ء ، ص : ۲۷۳-

(۳) ''روداد سیمینار'' ، ۱۹۸۵ء ، اسلام آباد ، ''افتتاحی خطبہ'' ، ص : ۷۷۶-

(۴) ''روداد سیمینار'' ، ص : ۲۲۸-

(۵) — ایضاً — ص : ۱۹۸-

بابِ ہشتم-۲

(۱) ایرک پیٹرج: ''You have a point'' ؛ ص: ۸۴-

(۲) افتخار احمد صدیقی : ''فروغِ اقبال'' ، اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور ، ۱۹۹۶ء ؛ ص : ۱۳-

مذکورہ حوالہ میں حذف شدہ جملہ یہ ہے:-

''دارالعلوم کیمبرج کی چھوٹی سی بستی، عظیم شہر لندن کی شمالی سرحد سے تقریباً پچاس میل دور واقع ہے۔''

(۳) صغیر احمد جان : ''صحیفہ مخزن ادب'' ، ایبٹ آباد، ۱۹۵۸ء؛ ص: ط-

(۴) — ایضاً — ص : ل

(۵) — ایضاً — ص : م

بابِ ہشتم-۳

(۱) ایرک پیٹرج: ''You have a point'' ؛ ص: ۴۴-

(۲) ''رودادِ سیمینار'' ؛ ص : ۲۰۲-

(۳) — ایضاً — ص : ۲۲۹-

(۴) مولوی عبدالحق : ''قواعدِ اردو'' ، ص : ۳۲۱ ، ۳۲۲-

رشید حسن خان : ''اردو املا'' ، ص : ۲۵۲۔

(۵) رشید حسن خان : ''اردو املا'' ، ص : ۲۵۲۔

(۶) فرمان فتح پوری : ''ماہنامہ نگار'' ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۰ء ، ص : ۴۷۔

باب ہشتم۔۴

(۱) ایرک پٹیرج: ''You have a point'' ؛ ص: ۵۲۔

(۲) — ایضاً —

(۳) رشید حسن خاں : ''اردواملا'' ؛ ۱۹۹۸ء ، ص : ۵۵۴۔

(۴) صغیر احمد خان : ''صحیفۂ فنون ادب'' ؛ ایبٹ آباد ، ۱۹۵۸ء ؛ ص : ۴۱ ، ۴۲۔

(۵) مولوی عبدالحق : ''قواعد اردو'' ؛ ص: ۳۲۵۔

باب ہشتم۔۵

(۱) ایرک پٹیرج: ''You have a point'' ؛ ص: ۸۷۔

(۲) جمال الدین احمد: ''Proof Reading, Type Writing, Composing and Imposing'' ؛ کراچی، ۱۹۵۲ء ؛ ص: ۱۱۔ (لیاقت نیشنل لائبریری، کراچی ایسوسی ایشن نمبر ۱۳۴۶۵)۔

(۳) ایرک پٹیرج: ''You have a point'' ؛ ص: ۸۷۔

(۴) مولوی عبدالحق : ''قواعدِ اُردو'' ؛ ص : ۳۲۵۔

(۵) رشید حسن خان : ''اردواملا'' ؛ ص : ۵۴۷۔

باب ہشتم۔۷

(۱) ماہنامہ ''نگار'' پاکستان ؛ ستمبر اکتوبر ۱۹۸۸ء ؛ ص : ۵۵۔

(۲) ماہنامہ ''ساقی'' کراچی ؛ ''شاہد احمد دہلوی نمبر'' ۱۹۷۰ء ؛ ص : ۳۳۵ ، ۳۳۶۔

(۳) رشید حسن خان : ''اردواملا'' ۱۹۹۸ء ؛ ص : ۵۴۷۔

باب ہشتم۔۹

(۱) ''روداد سیمینار'' ممتاز منگلوری ؛ ص : ۳۳۲۔

(۲) ایرک پٹیرج: ''You have a point'' ؛ ص: ۸۰۔

باب ہشتم۔۱۰

(۱) ایرک پیٹرج: "You have a point" ؛ ص: ۱۴۔
(۲) خواجہ محمد شفیع : ''مغلوں کا مدوجزر'' ؛ مکتبہ جامعہ دہلی ، مطبوعہ ۱۹۳۹ء ؛ ص : ۶۲۔
(۳) مولوی عبدالحق : ''قواعدِ اردو'' ؛ ص : ۳۱۸۔
(۴) .... ایضاً ....
(۵) نگار پاکستان ؛ ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۰ء ، ایجوکیشنل پریس، کراچی۔

باب ہشتم۔۱۱

(۱) ایرک پیٹرج: "You have a point" ؛ ص: ۶۳۔
(۲) ''اردو لازمی'' ، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور ؛ ص : ۴۴۔
(۳) .... ایضاً .... ص: ۱۹۔
(۴) جمیل الدین عالی : ''حرفے چند'' ؛ مشمولہ: ''شاہد احمد دہلوی ــــ حالات و آثار'' ؛ انجمن ترقی اردو، پاکستان کراچی ؛ ۲۰۰۰ء ، ص : ۹۔
(۵) ایڈوا سی۔ دولی: ''کالج ہینڈ بک...'' لندن؛ ص: ۲۰۷۔
(۶) ایرک پیٹرج: "You have a point" ؛ ص: ۶۶۔
(۷) قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی : ''مضامین اختر جونا گڑھی'' ؛ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ؛ ص :۶۲۔

باب ہشتم۔۱۲

(۱) ایرک پیٹرج: "You have a point" ؛ ص: ۶۸۔
(۲) محمد عارف : ''شاہد احمد دہلوی'' ؛ ۱۹۳۴ء ساقی۔اوّل ، ص : ۱۹۔
(۳) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد : ''افتتاحیہ'' ؛ ادارہ مسعودیہ ، کراچی ؛ ۲۰۰۲ء ، ص : ۸۔
(۴) .... ایضاً .... ص : ۹۔

باب ہشتم۔۱۶

(۱) قرۃ العین حیدر : ''آگ کا دریا'' ؛ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ؛ ۱۹۹۴ء ، ص : ۸۔

باب نہم

(۱) تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: ''ادبی تحقیق کے اصول'' ؛ مقتدرہ اسلام آباد ؛ ۱۹۹۲ء ، ص : ۲۳۲۔

(۲) ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش ، مقالہ : ''مقالے کی تسوید'' ، عبدالرزاق قریشی : ''اردو میں اصول تحقیق'' ، (انتخاب مقالات) جلد اوّل : مقتدرہ اسلام آباد، ۱۹۸۶ء (طبع اوّل) ، ص : ۲۷۲۔

(۳) تبسم کاشمیری : بحوالہ سابقہ ص: ۲۲۲

(۴) عبدالرزاق قریشی : بحوالہ سابقہ ص: ۲۷۲

(۵) تبسم کاشمیری : بحوالہ سابقہ ص : ۲۴۱۔

باب دہم

اس باب کے سلسلے میں جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جمال الدین احمد: ''Proof Reading, Type Writing, Composing and Imposing'' ؛ کراچی، ۱۹۵۲ء۔

(۲) سیتارام: ''Proof Correcting'' ؛ کمرشل بک کمپنی ، برانڈرتھ روڈ، لاہور۔

عبداللہ غوری
مینجنگ ڈائرکٹر: حسنین سیالوی
پیاری کتب پراجیکٹ
گروپ میں شامل ہونے کے لیے واٹس ایپ کیجئے
03478848884